ماہوار

سہیل

حیدرآباد دکن

www.taemeernews.com

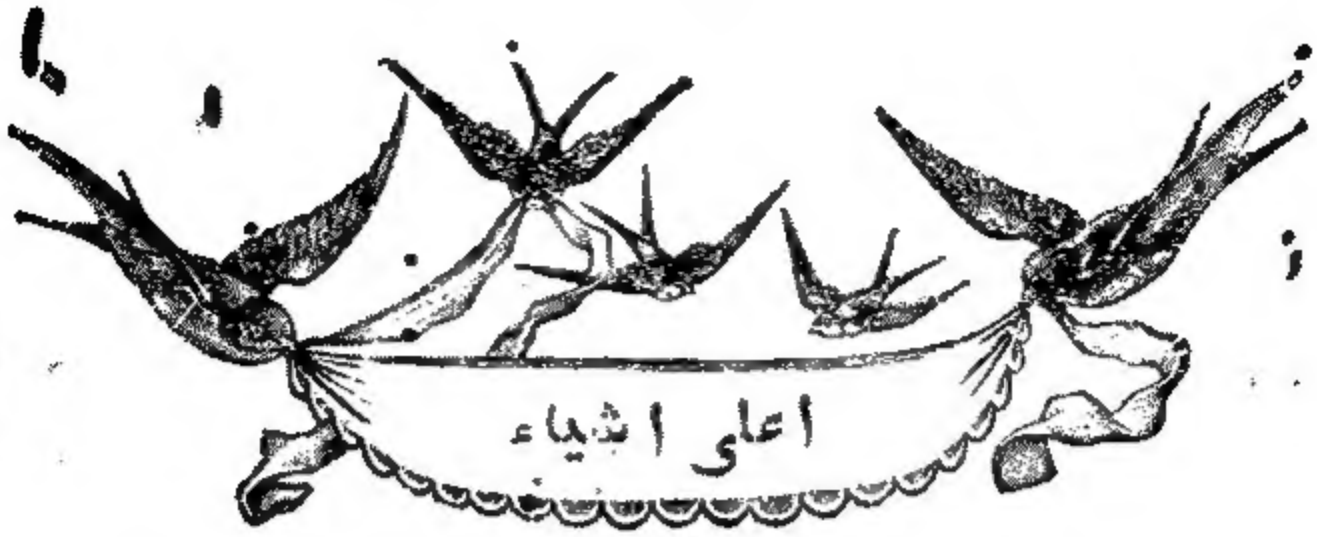

یس - اے - رحیم

سالار جنگ بلڈنگ حیدر آباد دکن

ہر قسم کے بہترین شوز - سفت - صابن - ترکی ٹوپی - کرسٹی - فوم - فلٹ لیاپ - بالدار - بنیان - جراب - دستی ریشمی - سوتی - آئیل - پوڈر مختلف قسم کے بٹن فیانسی - لاکٹ - توال - واٹر پروف قابل دید موجودہیں آرڈر پر مال باہر بھی روانہ کیا جاتا -

پسند نہ ہونے پر دوسرا بھیجا جاسکتا ہے بشرطیکہ یکطرفہ کرایہ کے آپ ذمہ دار ہونگے -

حضرت اقدس واعلی خلدالله ملکه

www.taemeernews.com

شہاب

جلد (۲) آذر ۱۳۴۳ف م اکتوبر ۱۹۳۳ء نمبر (۱)

مرتبہ

محمد عبدالرزاق بسمل

چندہ سالانہ (للور)

نشان	عنوان	نام مضمون نگار	صفحہ
(۱)	قومی ترانۂ دکن		(۳)
(۲)	انجام	بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو	(۴)
(۳)	غزل	امام الفن جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل	(۵)
(۴)	آپ بیتی	مدیر	(۶)
(۵)	مزدور پیشہ طبقہ کی بیداری	جناب محمد حبیب الرحمٰن صاحب پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ	(۹)
(۶)	آجکل کی شادی	بیچارہ حیدرآبادی	(۱۳)
(۷)	غالب کی اردو شاعری	" سید علی اصغر صاحب	(۱۷)
(۸)	دوست کی جستجو	مدیر	(۳۰)

www.taemeernews.com

نمبر شمار	عنوان	نام مضمون نگار	صفحہ
۹	غوطہ خور اور موتی	جناب کپتان محمد اعجاز علی صاحب شہرت	۳۱
۱۰	داستان زندگی	" بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر	۳۷
۱۱	حیدرآباد سے کشمیر تک	" فخر الدین احمد صاحب سعید	۳۸
۱۲	غزل	" نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز	۴۳
۱۳	غزل	" ابوالخیر سید ابراہیم حسین صاحب صہبا	۴۴
۱۴	مضمون نگار (افسانہ)	" محشر عابدی صاحب بی۔اے	۴۵
۱۵	غزل	" امین الحسن صاحب بسمل اڈیشنل جج	۴۸
۱۶	ایثار (ڈرامہ)	" مس مہر آرا ذیاست اللہ	۴۹
۱۷	رخصت	آلڑ ایگو	۵۹

برقی پریس ہیر دکن میں چھپکر بیرون دبیرپورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔

ماضی اور مستقبل کے حالات جن حضرات کو دریافت کرنا منظور ہوں حوا تین بائیں ہاتھ اور حضرات سیدھے ہاتھ کا نقش کسی کاغذ میں تیل ملا کر نہایت واضح طور پر معہ نام جو عرف عام میں مشہور ہو سنہ پیدائش عیسوی۔ وقت۔ لکھ بھیجیں۔ عرضیت انگریزی الفاظ میں ہونا چاہیئے۔ جواب کے لیے ۳ کے ٹکٹ آنا چاہیئے۔ زحمت گوارا کرنیکی ضرورت نہیں۔ یہ جب وصول ہو جائے تو ہم ماہر فن کے پاس بھیجدیں گے۔ اور جو جواب ملے وہ آپ کی خدمت میں ارسال ہوگا۔ بیرنگ خطوط قبول نہ ہوں گے۔ ہر لفافہ پر لفظ (**قیاف**) لکھنا ہوگا۔

بتوسط منیجر شہاب بیرون دروازہ دبیرپورہ حیدرآباد دکن۔

www.taemeernews.com

قومی ترانۂ دکن

کلام الملوک ملوک الکلام

مطلع۔ تا ابد خالق عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثمان لصبا اجلال سلامت رکھے

جیسے تو فخر سلاطین ہے بہ فضل یزداں
یونہی ممتاز تیرا دور حکومت رکھے

آل و اولاد کو اللہ دے عمر خضری
ان سے آباد ترا خانۂ دولت رکھے

جودِ حاتم رہے شرمندۂ احسان تیرا
عدل کسریٰ کو خجل تیری عدالت رکھے

خندہ زن صورت گل یہ ہو خواہاں ہیں
آگے قدموں پہ عدو فرق اطاعت رکھے

سب رعایا کو تیری سالگرہ کی تقریب
بانشاط و طرب و عیش و مسرت رکھے

مقطع۔ بن کے ساقی ترا اقبال نظام سابع
تجھ کو صہبا کش خمخانۂ عشرت رکھے

www.taemeernews.com

انجام

(بلبل ہند مسز سروجنی نائڈو کی ایک دلفریب غزل کا ترجمہ)

ایک دن کا ذکر ہے۔

اپریل کا مہینہ تھا اور ایک بھونرا تیزی کے ساتھ آسمان کی جانب اڑ رہا تھا وہ ایک گھنٹہ تک سورج کی زرّین کرنوں کے جال میں کھیلتا رہا۔

پھر اس نے ایک نازک اور ملائم پھول پر بیٹھ کر اس کی روح حیات چھین لی۔ آہ وہ مرجھا گیا۔ غنچہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مرجھا گیا۔

مگر اے بیخبر بھونرے، تجھے کیا پرواہ ہے؟ تجھے کیا خبر کہ فطرت کی ایک صنعت کاری تیرے لبوں کی ناقابل تسکین تشنگی پر قربان ہوگئی؟

ایک دن میرا حبیب آیا۔

لبوں پر ہاتھی دانت کی ایک مرصع شہنائی تھی۔ آنکھوں سے دعوت دل کے لیے پیہم تیر نکل رہے تھے۔ پیروں میں آلات پرواز بھی لگے ہوئے تھے۔ وہ میرا کیوپڈ تھا۔!!

مجھ سے زیر لب کہنے لگا "میں تھکا ہوا ہوں۔ بالکل ہی تھک گیا ہوں، مجھے اپنے حریری سینہ پر سر رکھنے دو۔ اور سو جانے دو۔

چند راحت آفریں لمحے اپنے گرم تنفس کی شمیم بار فردوس میں!!!"

طلوع صبح کے ساتھ ہی وہ مرغ زرّیں اڑ گیا۔ اڑ گیا اور کوئی نشان الفت نہ چھوڑ گیا۔

یہ اس کی رسم وفا تھی۔ آہ یادگار نہ چھوڑی۔ اس نے اس عشرت نیم شبی کی! ——

مگر میں دیوانی ہوں! جو ملول ہوتی ہوں! ارے کون پرواہ کرتا ہے اگر کسی عورت کا دل ٹوٹ جائے۔

www.taemeernews.com

غزل

امام الفن جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

جو کچھ میخوار اپنے شیشہ و ساغر میں رکھتے ہیں
وہی ہم کیفیت یادِ لبِ دلبر میں رکھتے ہیں

ہزاروں داغِ حسرت فرقتِ دلبر میں رکھتے ہیں
ہم اک آتشکدہ اپنے دلِ مضطر میں رکھتے ہیں

ہم ان آنکھوں کے ہیں اے ساقیِ گلفام متوالے
جن آنکھوں کے اشارے جام کو چکر میں رکھتے ہیں

حسینوں سے جو مانگے شربتِ دیدار نادان ہے
یہ ظالم تشنہ کامی کی دوا خنجر میں رکھتے ہیں

تیری شوخی بھری چتون سمائی جب سے نظروں میں
خزانہ بجلیوں کا ہم دلِ مضطر میں رکھتے ہیں

تڑپ کیا۔ درد کیا۔ اندوہ و غم کیا سوز و حسرت کیا
خلاصہ یہ کہ اک عالم دلِ مضطر میں رکھتے ہیں

خراب و خستہ و ویران ہو جیسے میکدہ کوئی
وہ حالت ہم فراقِ شیشہ و ساغر میں رکھتے ہیں

کبھی اقرار کے تیور کبھی انکار کی چتون
طلبگاروں کو اپنے وہ اسی چکر میں رکھتے ہیں

کچھ ایسا ڈر لگا ہے آتشِ دل کے بھڑکنے کا
کہ ہم اشکوں کا دریا اپنی چشمِ تر میں رکھتے ہیں

جنوں دیکھو کہ خار و خشت چبھتے ہیں جو تلووں میں
انھیں چن چن کے ہم اپنے دلِ مضطر میں رکھتے ہیں

فغانِ گرمِ بلبل سے یہاں تک آگ بھڑکی ہے
قدم ڈرتے ہوئے صیاد اپنے گھر میں رکھتے ہیں

ہزاروں میکدے کا نشہ صدقے اے جلیل اس پر
جو مستی ہم خیالِ ساقیِ کوثر میں رکھتے ہیں

www.taemeernews.com

آپ بیتی

سخن طرازی و دانش ہنر نظیرے نیست
قبول دوست مگر نالۂ حزیں گردد

'شہاب' کی دوسری جلد کا پہلا نمبر آپ کے پیش نظر ہے۔ اگرچہ اس کا پہلا پرچہ فروردی ۱۳۴۲ف کو شائع ہوا تھا اس طرح اختتام سال کے لیے ہنوز چار مہینے باقی ہیں۔ چونکہ آذر ہمارے کاروباری اغراض کا ابتدائی مہینہ سمجھا جاتا ہے اس لیے یہی مناسب خیال کیا گیا کہ پہلی جلد کے (۸) ہی نمبر کا سال شمار کر لیا جائے تو دوسری جلد سے خریداروں کے پاس بارہ پرچوں کا مقررہ ایک سال ہوگا۔ اس لیے کیا حرج ہے اگر ایک سال (۸) ہی مہینے کا شمار کر لیا جائے۔

ابتداً جب 'شہاب' کے اجرا کا خیال ہوا تھا تو اتنی ہمت نہ تھی اور نہ کوئی توقع کہ یہ آگے بڑھ سکے گا کیونکہ سفر کی کامیابی زاد راہ اور اسباب پر موقوف ہے لیکن ڈرتا تھا کہ ایک تہی مایہ اور بے بضاعت اس کٹھن منزل کو کیونکر طے کر سکیگا جس کے پاس نہ تاب جس کے لیے روغن دغازہ تھا نہ دلفریبی کے لیے خوشنما پھول البتہ چند تلخ گھونٹ تھے جس کو بازار میں لیکر نکلے تھے کہ شاید اس جرعۂ تلخ کا ہی کوئی خریدار پیدا ہو جائے شہد نہ سہی کونین ہی کا کوئی خواہاں ہو۔

کس قدر احسان و کرم ہے اس مجیب الدعوات کا جس نے ہماری محنتوں کو قبول کیا اور اس لائق بنا دیا کہ آج ہم دوسری جلد کے پہلے نمبر کو پیش کرنے کی مسرت حاصل کر رہے ہیں۔ کس کو خبر تھی کہ وہ ہاتھ جو کمزور ہیں اور وہ پاؤں جو چلنے سے معذور ہیں۔ اس میں اتنی طاقت اور توانائی آجائیگی کہ آئندہ اس منزل میں گام فرسا ہونیکی جرأت پیدا ہو گی۔ یہ سب کچھ اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے جو کسی کو مایوس نہیں کرتا اور نہایت پیار و محبت سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ "ہاں آؤ میرے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ میں دوسروں کے در سے بے نیاز کر دونگا" یہی وہ صدا ہے کہ اب بھی ہوس تپیدن باقی ہے۔

یہ ضروری ہے کہ کسی پرچہ کی قبولیت اس کے ظاہری و معنوی خوبصورتی پر ہوتی ہے۔ اور معنوی خوبیوں کا انحصار انشاء پردازوں کے نگارش پر منحصر ہے سو الحمد للہ کہ شہاب اس خصوص میں دوسرے رسائل سے بڑھا ہوا نہیں ہے تو گھٹا ہوا بھی نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا پہلا پرچہ جہاں

www.taemeernews.com

شائع ہوا ملک کے طول وعرض میں خریدار فراہم ہو لئے گئے جو اس قلیل عرصہ میں ایک پرچہ کے لیے حوصلہ افزا ضرور ہے لیکن یہ تعداد اتنی نہیں ہے کہ اس پر بھروسہ کر کے خاموش رہ جائیں۔ ہر پرچہ کی زیب وزینت آرائش وزیبائش موقوف ہے کثرت خریداری پر اگر آپ اس کے نشر و اشاعت میں یونہی دلچسپی لیتے رہیں اور دوسروں کو ترغیب اور تشویق دلاتے رہیں تو ایکدن شہاب مطلع صحافت پر "بدر" بن کر چمک جائیگا۔

دنیائے صحافت میں ہمیشہ اپنی خوبیوں کے اظہار کا ایک ہنگامہ برپا رہتا ہے یہ شاید ایک حد تک صحیح ہو لیکن ہم اس سے بہت دور بالکل خاموش رہ کر اپنی بساط کے موافق قارئین ادب کی تشنگی کے سامان بہم پہونچانا چاہتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہے اس کو دلچسپ بنانے میں جدوجہد جاری ہے اور رہیگی۔ یقین ہے کہ مستقبل قریب شاندار ہو جائے گا۔ لیکن ایک تنہا وجود کیونکر ان ذمہ داریوں کو برداشت کر سکتا ہے تاوقتیکہ آپ اس کی اعانت پر آمادہ نہ ہوں۔ اور آیندہ خریداری کا یونہی سلسلہ جاری نہ رہے۔

ہر کام کے لیے اسباب وسامان درکار ہے لیکن ہمارے پاس کیا تھا؟ یہ سب کچھ آپ ہی کا کیا ہوا ہے اس لیے آیندہ بھی آپ ہی کو سب کچھ کرنا پڑیگا۔ یہ ایک نونہال پودہ ہے اس کو پروان چڑھانا اس میں خوشنما پھول پھل پیدا کرنا بھی آپ ہی کا کام ہوگا۔ اس لیے یہ درخواست سزاوار تکوہش نہ ہوگی کہ آپ شہاب سے دامن بچائیں اور اس کو بھول جائیں۔

جہاں ہم ممنون ہیں اپنے قلمی معاونین کے جنھوں نے اپنی دماغی کاوشوں سے پرچہ کے نشو ونما میں دلچسپی لی ہے اور کامیاب بنانے کی سعی فرمائی ہے۔ وہاں چند اہل قلم سے تلخ شکوہ بھی ہے کہ باوجود وعدوں کے ہمیشہ عذر ہی رہا حالانکہ وعدہ کیا جاتا ہے ایفا ہی کے لیے نہ کہ یوں خوش کرنے کے لیے۔

وہ حضرات ہمارے تشکر کے محتاج نہ ہوں لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ ابتدائے شہاب سے خریداروں میں جو دلچسپی لی ہے اور لے رہے ہیں جن سے ہمارے بہترین تمنائیں وابستہ ہیں جن کے لیے عمیق قلب سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اگر اسی طرح اور بھی دردمند ہستیاں آمادہ ہو جائیں تو شہاب کی زندگی کا مسئلہ بڑی حد تک طے ہو جائیگا جہاں یہ ہے وہاں ہم شرمندہ ہیں قارئین شہاب سے کہ ان کی نفاست طبع کے موافق کتابت کا انتظام نہ ہو سکا۔ حیدرآباد میں جہاں دو ایک اچھے

اچھے لکھنے والے ہیں انہیں اتنی فرصت نہیں کہ اس کی ذمہ داری لیں اس لیے مجبوراً برا بھلا جو کچھ ہو سکا کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اصلی کتابت سے ہم غافل نہیں ہیں خدا سامان فراہم کر دے تو یہ شکایت بھی رفع ہو جائیگی آپ کو اختیار ہے کہ اس کی برائیوں میں کاوش اور جستجو کریں مگر ہم کو یقین ہے کہ اس قلیل مدت میں جو کچھ ہوا اس کا رساز حقیقی کی سرفرازی اور بخشش ہے جو ہمیشہ بے سروسامان کو نصرت عطا کرتا ہے۔

انسان کو صرف کام کرنا اور کام کی طرف نظر رکھنا چاہیئے اگر کوئی اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ تو شکایت کا موقع نہیں۔ بلکہ نیت اچھی ہو۔ جب نیت صاف ہے تو خود بخود صلہ مل جائیگا۔ کیوں کہ کارفرمائے حقیقی کسی کی محنت کو رائیگاں اور برباد نہیں کرتا کشتی سمندر میں ہے اور سمندر اس کو ڈبونا چاہتا ہے۔ ہوا چلتی ہے اور موجیں اس سے بلند ہوتی ہیں لیکن جب ان دونوں کا قادر کام کرنے والے کا ساتھ دے رہا ہے تو پھر اندیشہ اور ناامیدی ایک بیکار سی بات ہے یہی وہ قوت ہے جو شہاب اپنے کاروبار سے بے فکر اور گھبراہٹ اور پریشانی سے بے نیاز ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ آپ شہاب کو دلچسپی سے عزت مطالعہ بخشیں یہی میرے لیے بہت بڑا صلہ اور آیندہ کام کرنے کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوگا۔

سالنامہ بزم اردو

محمد مخدوم محی الدین صاحب معتمد بزم اردو کلیہ جامعہ عثمانیہ نے سالنامہ بزم اردو سنہ ۱۳۴۰ و ۱۳۴۱ و سنہ ۱۳۴۲ ف کے دو نسخے روانہ کیے ہیں جن کے معاینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سال اول نواب محمد ظہیر الدین خاں صاحب و سال دوم عزیز احمد صاحب نے صدر کے فرائض انجام دیے ہیں یہ سالنامہ ہیں تو مختصر لیکن اپنے اندر معلومات کا ایک ذخیرہ رکھتے ہیں جس سے بزم اردو کی بنیاد۔ اراکین کا بینہ اور اراکین ان کے معمولی اور غیر معمولی جلسوں کی پوری تفصیل معلوم ہوتی ہے اور طلباء کے علمی جد و جہد اور ذوق ادب کا یہ ایک ایسا درخشاں آئینہ ہے کہ جس میں بلا تکلف ان کے خد و خال کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وہ ہونہار اور نوخیز افراد ہیں جن سے ملک کی بہترین تمنائیں وابستہ ہیں اور مستقبل شاندار اور تابناک دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ نسیم عثمانی کی ٹھنڈی چھاؤں میں مادر کلیہ کی خدمت کا جو ذوق ہے اس کو دیکھکر کہہ سکتے ہیں کہ کلیہ عثمانیہ کسی اور سے پیچھے نہیں ہے اور حیدرآباد ان ہی سرگرمیوں کی بدولت قرطبہ و بغداد بن جائیگا اراکین کی مصروفیتیں اور ان کی ادبی کاوشوں کی تفصیل یہی ناموں کے ساتھ دی گئی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں کوئی شعبہ چھوٹ نہ سکا۔ کیا یہ ملک کی شاندار مستقبل کی بشارت نہیں ہے؟

مزدور پیشہ طبقہ کی بیداری

جناب محمد حبیب الرحمن صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی پروفیسر سیاسیات جامعہ عثمانیہ

چند سال قبل تک یورپ اور خاص کر انگلستان میں یہ خیال بہت راسخ تھا کہ ملک میں فراوانی دولت کی بہترین اور تنہا صورت یہی ہے کہ افراط کو بلا روک ٹوک اپنے اپنے ذاتی مفاد کے حصول میں لگا رہنے دیا جائے اور حکومت کے فرائض صرف قیام امن اور حفاظت ملک تک محدود رہیں لیکن تجربہ سے یہ خیال غلط ثابت ہوا اور خاص کر دور جدید میں جب کہ کاروبار بالعموم بڑے پیمانہ پر چلتے ہیں اور مشینوں کا استعمال عام ہے اس مسلک کی پابندی ملک و قوم کے حق میں خطرناک بلکہ قطعی طور پر مہلک تصور کیجاتی ہے۔

اور وجوہ سے قطع نظر صرف دو اسباب ہی ایسے ہیں جن کی بناء پر کوئی حکومت اپنی رعایا کی کاروباری زندگی سے بالکل الگ تھلگ نہیں رہ سکتی۔ ایک بین الاقوامی مسابقت، دوسرے اندرون ملک سرمایہ داروں اور مزدور پیشہ طبقہ کی مخالفت۔

جدید ذرائع آمد و رفت کی بدولت مختلف ملکوں کے مابین مکانی فاصلہ کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ اور ایک ملک کے باشندے دوسرے دور دراز ممالک کے باشندوں کی کاروباری زندگی پر مفید اور مضر دونوں طور پر اثر ڈال سکتے اور ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہر حکومت جسے اپنے ملک اور باشندوں کے مفاد کا پاس ہے ایسی تدبیریں اختیار کریگی جن کی بدولت وہ بیرونی مضر اثرات سے محفوظ رہیں اور مفید اثرات سے مستفیض ہو سکیں۔ ورنہ یہ اندیشہ قوی ہے کہ نہ صرف کاروباری حیثیت ہی گھٹ جائے بلکہ شاید سیاسی آزادی بھی ہاتھ سے جاتی رہے۔

جہانتک اندرونی مخالفت کا تعلق ہے وہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی جہاں جدید کاروباری طریقوں کی یہ خوبی مسلم ہے کہ ان کے ذریعہ سے دولت بہ کثرت پیدا ہوتی ہے وہیں انکا یہ رجحان بھی ناقابل انکار ہے کہ ان کے زیر اثر پیدا کی ہوئی دولت ملک کے مختلف طبقوں میں مناسب طور پر تقسیم نہیں ہونے پائی الفاظ دیگر انکا یہ ناگزیر رجحان ہے کہ دولتمند اور دولتمند بنتے جاتے اور مفلس اور زیادہ مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ دولت پیدا تو زیادہ ہوتی ہے لیکن وہ ایک محدود تعداد کے ہاتھوں میں گھر جاتی ہے اور ملک کی کثیر تعداد کو مقابلۃً بہت ہی ادنیٰ درجہ کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ دولت

اور افلاس یوں تو ہر زمانہ میں ساتھ ساتھ رہے ہیں لیکن جو نمایاں فرق آجکل ان میں پیدا ہوگیا ہے وہ شاید کسی سابقہ زمانہ میں نہیں رہا نتیجہ یہ ہے کہ جب سے جدید کاروباری طریقے جاری ہوئے ہیں اسی وقت سے سرمایہ داروں اور مزدوروں کی رقابت کا بھی آغاز ہوا ہے اور ان طبقوں کی یہ مخالفت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے اور اب بھی ان کی مخالفت کے اثرات یورپ بلکہ ساری دنیا کے سیاسیات میں نمایاں ہیں۔

مزدور پیشہ طبقہ کی بیداری کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ دولتمند طبقے کے افراد بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کسب دولت محض افراد کی جد وجہد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں نظام معاشرت اور جماعتی ترقی کو بھی بہت دخل ہے۔ یہ مانا کہ ہنری فورڈ اور ایک راک فیلر جیسے کاروباری دماغ رکھنے والے دنیا میں کم پیدا ہوتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ایسے افراد کی کوششیں نہ صرف ان کی ذات کے بلکہ ان کی جماعت کے حق میں بھی مفید اور دولت کا سرچشمہ ثابت ہوتی ہیں لیکن باوجود اس کے کیا ہنری فورڈ کی قابلیتیں اپنے ملک کے بے مثل نظام تعلیم کی رہین منت نہیں ہیں۔ مزید برآں جو کارگزار اور ماہر مزدور اس کو ہزاروں کی تعداد میں دستیاب ہوجاتے ہیں کیا وہ اسی نظام تعلیم کی پیداوار نہیں ہیں اسکے علاوہ جو بے نظیر ذرائع نقل حمل اسے حاصل ہیں کیا ان کے بغیر وہ اپنے کاروبار کو اسی پیمانہ پر وسعت دے سکتا تھا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس کے ملک میں نیز دیگر ممالک میں خوش حال افراد کی اتنی کثیر تعداد نہ ہوتی تو کیا وہ اسی کثرت سے اپنی موٹریں فروخت کرسکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ نہ امریکہ کا نظام تعلیم نہ وہاں کے اور دوسرے ممالک کے ذرائع نقل وحمل اور نہ فورڈ کار کے خریدار کی دولت، ان میں سے کسی کو ہنری فورڈ کی کوششوں سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ یہ تو ہم نے صرف چند بدیہی باتیں مثال کے طور پر جن لی ہیں جن پر دنیا کے اس سب سے بڑے کاروباری دماغ کی کامیابی کا انحصار ہے لیکن جو خود اس کی جد وجہد کا نتیجہ نہیں ہیں ورنہ غور کرنے سے گوناگوں اسباب ایسے نظر آئیں گے جو محض جماعتی ترقی کا نتیجہ ہیں لیکن جن سے افراد اپنے اپنے کسب دولت میں ناگزیر طور پر مدد لیتے ہیں کامیاب افراد بالعموم اس مغالطہ میں رہتے ہیں کہ ان کی کامیابی صرف انہی کی غیر معمولی قابلیتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن جب مفلس طبقوں اور خاص کر مزدور پیشہ لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی اور وہ نظام معیشت میں اپنی اہمیت کو محسوس کرنے اور ساتھ ہی اس اہمیت کو موثر طریقہ پر جتلانے کی قوت حاصل کرنے لگے تو دولتمندوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور وہ

مفلسوں اور مزدور پیشہ طبقوں کی محبت سے بیچین ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی سلامتی کو پیش نظر رکھ کر اس بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ اس دنیا میں بڑے سے بڑے کامیاب افراد کی کامیابی خواہ وہ نپولین اعظم کی فوجی مہم میں ہوں یا نیوٹن اور این اشٹائن کی علمی تحقیقاتیں ہوں اور یا جنری فورڈ کا عظیم الشان کاروبار ہو، غیر محسوس مگر قطعی طور پر عام جماعتی ترقی کی رہین منت ہوتی ہے۔

سب سے اول یہ احساس مغربی ممالک میں ظہور پذیر ہوا۔ اور ایسا ہونا ناگزیر تھا کیونکہ اولاً انہی ممالک میں پیدائش دولت کے جدید طریقوں نے نشو ونما پائی مغربی ممالک میں بھی انگلستان کا نمبر اوّل ہے کیوں کہ انگلستان ہی میں ان عظیم الشان تبدیلیوں کا آغاز ہوا جنھیں اجمالی طور پر صنعتی انقلاب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ انقلاب گو بظاہر صرف کاروباری طریقوں تک محدود نظر آتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا قانون رسم ورواج، خاندانی حقوق وفرائض حتی کہ مذہب کسی چیز کو اس نے نہ چھوڑا اور مغربی سوسائٹی کی بالکل کایا پلٹ کردی اور اب بہت سرعت کے ساتھ مشرق میں بھی اپنے ناگزیر اثرات پھیلا رہا ہے۔

دولتمندوں کے مقابلہ میں مفلسوں نے اپنی مدافعت کے لیے یا اپنی اہمیت جتلانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے وہ مختلف ممالک کے حالات کی مناسبت سے مختلف رہے ہیں بعض اوقات تو اس مخالفت نے نہایت تشدد آمیز صورت اختیار کرلی۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں فرانسیسی انقلاب اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں روسی انقلاب اس تشدد آمیز مخالفت کی نمایاں مثالیں ہیں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان انقلابیوں نے اپنے حصول مقاصد کے لیے جو طریقے اختیار کیے وہ کس حد تک جائز ومناسب تھے البتہ ان ممالک کی تاریخوں کے مطالعہ سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے حالات کا اقتضا ہی یہ تھا کہ جب مفلسوں کا موقع آئیگا تو ان کا انتقام نہایت سخت ہوگا۔ اس کے برعکس انگلستان کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہاں تشدد آمیز طریقے اختیار کیے جائیں کیوں کہ انگلستان کے دولتمندوں نے اول تو یہ خوبی ہی نہ آنے دی کہ مفلس تخت یا تختہ کہکر میدان میں اتر آئیں دوسرے جب کبھی انھوں نے اپنے حریفوں کے تیور بدلتے دیکھے فوراً ان کے ساتھ گفت وشنید کرنے اور کوئی مناسب سمجھوتہ کرنے کے لیے نہ صرف آمادہ ہوگئے بلکہ بسا اوقات اپنی طرف سے پیش قدمی کی۔ مزید برآں ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ انگلستان کے دولت مند بمقابل دوسرے ممالک کے دولتمندوں کے اپنے فرائض کا زیادہ احساس رکھتے ہیں قسم قسم کی تعلیم گاہوں کے لیے، طرح طرح کی طبی امداد کے لیے اور غریبوں کی اعانت کے

گوناگوں داروں کے لیے جیسے دل کھولکر یہاں کے لوگ روپیہ دیتے ہیں اس کی مثالیں دوسرے ممالک میں اس قدر کثرت سے نہیں ملتیں ظاہر ہے کہ یہ باتیں اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتیں اور ان کی وجہ سے مفلسوں کا غصہ اس نقطہ پر نہیں پہونچنے پاتا جہاں سوائے کشت وخون کے اور کوئی تدبیر نہیں سوجھائی دیتی اس کے علاوہ ایک اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ انگلستان کے مفلسوں اور مزدور پیشہ طبقوں نے اپنی مفاد کی حفاظت کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں ان میں دولتمندوں کی طرف سے نسبتاً کم مزاحمت کی گئی یہ تدبیریں اجمالی طور پر تین شعبوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں جن میں سے ہر ایک شعبہ ایک خاص تحریک کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہماری مراد انگلستان کی شہرہ آفاق تین تحریکوں سے ہے جن کے نام تحریک امداد باہمی تحریک اتحاد مزدوران اور مزدور پارٹی کی سیاسی تحریک ہیں۔ ان تحریکوں کے عام خصوصیات پر روشنی ڈالنے کی سردست گنجائش نہیں ہے البتہ یہ بدیہی ہے کہ مزدور پیشہ طبقوں نے اپنی ترقی کی یہی تین راہیں نکالیں یا یوں کہیئے کہ انھوں نے اس جنگ میں تین محاذات سے پیش قدمی شروع کی۔ اگرچہ کبھی کبھی انہیں پسپا ہونا پڑا تاہم بحیثیت مجموعی تینوں محاذات پر انھوں نے گزشتہ ایک صدی کے اندر جو نمایاں ترقی کی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

تنہائی

جب آدھی رات ہوچکتی ہے اور تارے اپنی چند ساعتی زندگی پر آنسو بہاتے ہیں۔ ..... میں محو پرواز ہوتا ہوں، محبت کی دلفریب اور روح پرور وادیوں میں میرا پیمانہ حیات تیری نرگسی آنکھوں میں سرگرم نیاز نظر آتا ہے ..... ہاں ..... یہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ میری خفتہ امیدیں جاگ اٹھتی ہیں اور میں اس خیال میں کھویا جاتا ہوں کہ اگر روحیں ماضی کی یاد اور اپنی ترنم خیز زندگی کے نظارے کے لیے ہماری دنیا کی جانب پرواز کریں تو تو بھی میری گزرگاہ کی جانب آنکلیگا اور مجھے یہ پیام سنا جائیگا کہ ہماری محبت نے ساتوں آسمانوں کو زیر وزبر کر رکھا ہے ..... تب میں ایک ایسا ساز چھیڑ دونگا جو کبھی ہماری مسرتوں کا سرچشمہ تھا ..... وہی جس میں ہماری ہم آہنگی ہوشربا ہوا کرتی تھی میری درد بھری آواز صحرا کے ہر گوشہ میں قیامت خیز تلاطم برپا کر دیگی ..... میرے محبوب!!! میں ان لمحات میں اتنا گم گشتہ ہو جاؤنگا کہ خود میری آواز تیری سریلی آواز کا جامہ پہن لیگی۔ اور وہی دلفریب راگ الاپے گی جو میری زندگی کے اسباب ہیں۔ (میر سرفراز علی صاحب)

آج کل کی شادی

"بیچارہ" حیدرآبادی

پچھلے زمانہ میں جب کہیں شادی بیاہ کے مواقع پیش آتے تو صرف حسب ونسب اور خاندانی شرافت کی حد تک چھان بین کی جاتی تھی اور نسبی صحت کی صورت میں بے معاشی پر بھی تعلقات رشتہ داری قائم ہو جاتے اور یہ تعلقات ایسے مستحکم ہوتے کہ زمانہ حاضرہ نئی روشنی سے بہرہ ور ہونے کے باوجود بھی ایسی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتا لیکن جب سے کہ رُت بدلی زمانہ نے پلٹا کھایا اور مٹی کے تیل کی جگہ بجلی یا برقی روشنی نے لے لی ہے ایسی ہوا بگڑی کہ توبہ ہی بھلی حسب نسب تو گیا چولہے بھاڑ میں جس کے پاس ہو پیسہ بس وہی شریف! صاحبزادے سولہ یا سترہ کے سن میں ہی ہیں کہ مامتا کی ماری ماں اپنے لاڈلے کا سہرا دیکھنے کے فکر میں حیران و سرگرداں۔

پیسہ ہے تو علمی قابلیت کی ضرورت کیا ہے البتہ اتنی قابلیت تو ضرور ہے کہ روزانہ نشہ کے عادی نہیں کبھی کبھار شوق فرما لیا کرتے ہیں جو چنداں قابل اعتراض نہیں۔

خیر سے پیام سلام کا سلسلہ آغاز ہوا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ جہیز کی فہرست معلوم کرائی جائے طلائی پازیب زنجیر طلائی ست لڑا زیور میں ضرور ہوں اور اگر طرفین کافی متمول ہیں تو پھر سواری کے لیے موٹر بھی لازم و ملزوم ہو جاتی ہے۔ غرض اتنے مطالبے ہوتے ہیں کہ صرف مکان کا قبالہ طلب کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ زر مہر کی تو کوئی پرواہ ہی نہیں جب دینے کی نیت نہیں تو پھر فکر چہ معنی دارد۔ غرض جملہ مراحل طے ہوئے اور شادی کا آغاز ہوا طرفین کے مکانات کی سفید کاری عمل میں آئی مانجھے کی رسم بھی پوری ہوئی۔ نوشاہ بعد غسل زرد زعفرانی جوڑا زیب تن فرمائے زنجیر طلائی ہو کہ نقروی زیب گلو کیے شاداں و فرحاں دوست احباب سے مصروف تکلم ہیں اور یاران خصوصی کی زرّیں رائیں پیش ہو رہی ہیں کہ شب گشت میں صیپوری طائف رہے اور عقد کے دن لکھنو والی کا ناچ چوہتی چالے میں علیگڈھ والی کا کھڑا مجرا ہونا چاہیے۔ رت جگا ہوا مسجد کے طاق بھرے گئے خواجہ خضر کے نام کے جہاز بھی حوضوں میں چھوڑے گئے شادی خانہ پر نوبت جھڑنے لگی۔ شادیانے کے ڈنکے چاروں طرف آنے جانے والوں کے کانوں میں بجنے لگے۔ رت جگے کے کلکلے اور مالیدہ کے حصے تقسیم ہو رہے تھے رسم سانچق کی رسم نوشاہ کے مکان سے چلی عروس کے جوڑے کشتیوں میں سلیقہ سے رکھے ہوئے ان پر زرکار تورہ پوش رنگ برنگ کی ٹھلیاں جس میں پچکاریاں پڑی ہوئیں

بادام، مصری، کھجور کی کشتیاں (اس کو حیدرآباد کی اصطلاح میں بری کہتے ہیں) جس کے ساتھ ایک
نشکر کی مولی بھی رہتی ہے۔ رسم کی کشتی جس میں ہلدی چکسا، مسی، صندل وغیرہ چاندی کی چھوٹی
چھوٹی تھالیوں میں اور ایک نقروی تھالی میں ورق لگی ہوئی گلوریاں سلامی کے روپے ایک
بڈھیا کھوسٹ دقیانوسی ماماجی رنگ افشاں چادر اوڑھے پھولوں کی چنگیر ہاتھ میں رسم کی کشتیوں
کے پیش پیش دنڈا پیشگی کے زیر سایہ اپنے موتی چور کے جوڑی کے جوڑے کو بار بار مٹکاتے اس
آؤ تاؤ کے ساتھ جا رہی ہیں کہ گویا کسی بڑے پیر کا صندل جا رہا ہے۔ باجوں کا کیا ٹھکانا۔ بیانڈ۔
تاشہ۔ مرفہ۔ روشن چوکی اپنے اپنے مزامیر کا وہ شور مچائے ہوئے کہ الاماں والحفیظ۔ عروس
کے مکان کے قریب رسم کا پہونچنا تھا کہ عزیز و اقارب باہر نکل پڑے مستورات و سہاگنیں کوٹھے پر
جا دھمکیں اور ملازمین عروس رنگ لیکر نوشاہ کے متعلقہ ملازمین پر ڈالنے لگے۔ باجوں کی ہڑبونگ
میں کشتیاں مکان میں داخل ہوئیں تو رے پوش ہٹائے گئے اور دولہن کے عزیز و اقارب جوڑے
وغیرہ دیکھنے ٹوٹ پڑے کسی نے جوڑوں پر ناک بھوں سکوڑی کسی نے چڑھاوے پر فقرہ کسا
اور کسی نے بری پر نام رکھا یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ بوڑھی بڑی عورتوں نے معاملہ کو الجھنے
نہ دیا اور رسم کی تکمیل میں عروس کو پھول پہنا کر نوشاہ کے ملازمین کو بعد عطائے انعام رخصت
کر دیا۔ نوشاہ کے ملازمین رخصت ہوئے تھے کہ جھٹ مارواڑی کو بلوایا بادام، مصری و کھجور کو
بعد وزن ٹھکانے لگا کر روپیہ بنا لیے گئے۔ دوسرے روز صبح نوشاہ کے ناشتہ کے بعد شام میں
مہیندی کی رسم اسی طریقہ سے عروس کے مکان سے نکلی اور گھنٹہ دو گھنٹہ کے وقفہ کے بعد نوشاہ
کی سالی اپنے عزیزوں کے ساتھ نوشاہ کے مکان پہونچیں شربت نوشی کے بعد نوشہ اندر طلب کیے گئے۔
اور بعد تکمیل رسم باہر تشریف لائے دوست احباب رنگین ہاتھوں کو دیکھ کر فقرے کسنے لگے اور کھانے
کے بعد رقص و سرود کا آغاز ہوا رات تمام دہما چوکڑی رہی گجر دم نوشاہ بعد غسل کرایہ کے جوڑے
میں ملبوس ہو کر مرغ زریں بنے ہوئے باہر برآمد ہوئے۔ یار احباب بھی ہلکے ناشتے سے فارغ ہو کر
دیوٹی پر آمادہ ہو گئے عقد کے دن خیر سے ایک دوگانہ نفل بھی ادا کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ اس کی بھی
تکمیل ہو گئی اور کرایہ کا جوڑا مطلوبے کا گھوڑا منہ پر گھٹا ٹوپ سہرا باجوں کی جھنکار سدیوں کی
چیخ پکار کی جلو میں خراماں خراماں عروس کے مکان پر اللہ پیر کی ضمانت میں پہونچے مگر دروازہ بند پایا برادری کی
سلامی یا نذرانہ جس کو "دھنگانہ" کہتے ہیں ادا کر کے مقرر کردہ نشستگاہ میں اپنے کسی دوست یا عزیز

قریب کی گود میں ہو لیے اور مسند پر جلوہ فرما ہونے کے قبل چانول پھینکنے کی رسم کی بھی تکمیل ہو گئی۔ خدا خدا کر کے قاضی صاحب تشریف لائے نوشاہ کے منہ سے سہرا ہٹایا گیا اور سیاہہ کی تکمیل ہوئی ایجاب و قبول کے بعد خطبہ دیا اور دعا کے بعد نیک کے چانول اپنے حصہ کے بادام مصری کھجور اور پانچ روپیہ نکاحانہ کے گرہ میں بندھ گئے۔ باقی ساقی بادام مصری۔ چھواروں کو نوشاہ پر نچھاور کر دیے ۔ دوست احباب کی مبارکبادی اور قصیدہ خوانی کے بعد رقص و سرود شروع ہوا۔ اور ساتھ ساتھ دسترخوان بھی چنے جانے لگے بارہ بجے کے بعد نوشاہ کا دسترخوان تیار ہوا جس پر چند غیر معمولی لوازمے بھی رکھے گئے نوشاہ اپنے عزیزان قریب و یاران مجیب کے ساتھ ہاتھ دھلانیوالے کا ہاتھ گرم کر کے دسترخوان پر جلوہ فرما ہوئے۔ شربت نوشی ہوئی پھر تھوڑا میٹھا کھلا برادر بیبی بناحق السعی وصول کر کے چلتے بنے۔ پانچ بجے تک بزم نشاط کا رنگ جما رہا اس کے بعد رات بھر کے جاگے ہوئے دوست احباب بھی کھسکنے لگے اور صرف معدودے چند باقی رہ گئے۔ سر مغرب فہرست جہیز کا مقابلہ شروع ہوا اور عام مجمع میں عروس کے ملبوسات وغیرہ ایک ایک کر کے نوشاہ کے ولی و سرپرست کو گنائے گئے اور نوشاہ و سرپرست کے دستخط رسیدی حاصل کر لیے گئے۔ بڑے اصرار پر رسم جلوہ کی تکمیل کے لیے نوشاہ کو زنانہ میں طلب کیا گیا اور تکمیل رسم و سلامیوں کے بعد عروس کو میانہ میں سوار کرا کے باہر واپسی ہوئی۔ عروس کا میانہ میں سوار ہونے کے لیے رخ کرنا تھا کہ قریب کے عزیز خوشی اور لڑکی کی جدائی کا رونا رونے لگے اور باہر باجوں کی جھنکار زیادہ ہوتی گئی۔ جلوس کی ترتیب ویسی ہی رہی جیسی کہ صبح تھی البتہ روشنی کے ہنڈے اور آتشبازی المضاعف تھی مکان پہونچے تھے کہ سب سے پہلے باجے والوں نے اپنا انعام وصول کرنے کے لیے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ دوسرے نمبر پر دوست احباب طالب جلسہ ہوئے۔ وعدہ وعید پر ان سے بھی چھٹکارا ہوا اور بلدی کا پانی جس میں کوئلے پڑے ہوئے تھے تین دفعہ نوشاہ اور میانہ پر سے اتارا گیا اور بکرے کے تصدق میں آنے کے بعد نوشاہ نے زمین پر قدم رکھا اور عروس کو بھی میانہ کی گرمی سے نجات ملی بعد ادائی رسم و طعام شب سب تھکے ماندے اتنی لمبی تانے کہ صبح ہو گئی شب دوشنبہ کے جاگے بھی نو بجے بیدار ہوئے اور بعد ضروریات ناشتہ ہوا اور ناشتہ کے بعد اخراجات شادی پر گفتگو ہونے لگی اور سلامی میں جو رقم وصول ہوئی تھی اسکی بھی گنتی ہوئی۔ دو تین بجے برادر بیبی اور سالی رسم کے ساتھ پہونچے۔ رسم کے کچھ وقفہ کے بعد معہ عروس واپس ہوئے شب میں نوشاہ کے لیے

گھوڑے باجہ روشنی کا انتظام عروس کے مکان سے کیا گیا اور نوشاہ عزیزان قریب و یاران نجیب کے ساتھ رسم چوتھی کے لیے روانہ ہوے بعد طعام تقریباً تمام شب لغویت میں اوقات خراب رہی اور صبح سویرے واپسی عمل میں آئی۔ ولیمہ کے رقعے تقسیم ہوے جسکی نسبت صرف یہ خیال پیش نظر کہ رونمائی عروس میں عزیزوں اور بے تکلف دوستوں سے کچھ مصارف کی پابجائی ہوجائیگی اس دعوت کا انعقاد ہوا حسب دستور رسم جمعگی کی تکمیل ہوئی اور سمد ملاوا بہی ہوا اور دولہا دلہن کی زندگی کا حقیقی دور شروع ہوا۔ دو تین مہینے خیر خوبی سے گزرے سلامی اور رونمائی کی رقم کچھ تو اخراجات میں صرف ہوئی اور کچھ جلسہ بازیوں کی نظر ہوئی طبیعت گھر بیٹھے اکتانے لگی باہر دل بہلانے کے لیے پیسہ کی ضرورت یہاں میاں برخوردار کوڑی کے ملازم نہیں بڑوں بزرگوں سے مانگتے ہوئے بہی شرم مانع کہ ہزاروں سے روپیہ شادی میں خرچ ہوا پھر کہاں سے دیں گے سوچتے سوچتے یہ خیال ہوا کہ بیوی کی کوئی چیز کیوں نہ رہن ماردی جائے یہ خیال پیدا ہوا اور حکمت عملی سے تکمیل بھی ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ ایک ایک چیز بنئے بقال کے ہتے چڑھی۔ غریب ناکردہ گناہ بیوی ناچار دل مسوس کر رہ گئی یارائے ضبط نہ رہا تو ڈرتے ڈرتے شوہر سے عرض حال کیا۔ یہ سننا تہا کہ غضب ہوا آسمان ٹوٹ پڑا دل کھولکر غریب کو صلواتیں منا دیں اور اس روز سے گھر کی فضا کچھ ایسی مکدر ہوئی کہ چار ناچار غریب بیوی کو اپنے ماں باپ کے گھر جانا ہی مناسب معلوم ہوا۔ خوبی قسمت کہ امید سے بہی تھیں ساس سسر یہ سمجھے کہ صاحب اولاد ہونے کے بعد داماد سیدھے رستہ پر لگ جائیں گے مگر یہ خیال بھی باطل نکلا۔ کڑہ کڑہ کر بیوی کے زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں اور میاں کو کوئی فکر ہی نہیں۔ یہ ناعاقبت اندیشی کے نتائج ہیں اور بیسیوں واقعات اس قسم کے پیش آے ہیں کہ زمانہ ان کی تصدیق کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے۔ "ہر کہ زن ندارد آسایش تن ندارد" مگر جب اس مقولہ پر سلامت روی کے ساتھ عمل کیا جائے اور حسب و نسب کو ملحوظ رکہہ کر بیہودہ و لغو رسومات سے احتراز ہو تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے اور ایسے بدنما واقعات کا سدباب ہو سکتا ہے اگرچہ بعض مرد ایسے نہیں ہوتے مگر بقول سعدی علیہ الرحمہ ؎

چو از قومے یکے پیدا نشی کرد — نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے کہ مردوں میں ہو یا عورتوں میں صحیح اسپرٹ پیدا کیجائے اور آیندہ زن و شوہر کے تعلقات میں بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اور "زن بد در سرائے مرد نکو" کا مصداق پورا نہ ہو سکے۔

غالب کی اردو شاعری پر ایک نظر

از جناب سید علی اصغر صاحب

مولانا سید علی اصغر صاحب ہندوستان کے ان ممتاز اور باکمال بزرگوں میں ہیں جو علوم مشرقیہ کے ساتھ ساتھ مغربی علوم و فنون میں بھی کافی دستگاہ رکھتے ہیں یہ اگرچہ صوبہ بہار کے باشندے ہیں لیکن ایک مدت سے حیدرآباد کو اپنا وطن بنا لیا ہے اور علمی خدمات میں مصروف ہیں ذیل کا مضمون مولوی صاحب موصوف کے افکار عالیہ کا نتیجہ ہے یقین ہے کہ ناظرین شہاب اس کے مطالعہ سے بہت کچھ اسباب دلچسپی فراہم کرلیں۔

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں جبکہ اہل اسلام کا آفتاب اقبال ہندوستان میں غروب ہو رہا تھا مشرقی ادب و تہذیب نے مرتے مرتے ایک سنبھالا لیا اور دہلی مرحوم نے اہل فضل و کمال کا ایک ایسا مرقع پیش کیا جس سے گزرا ہوا زمانہ ایک دفعہ پھر آنکھ کے سامنے آگیا۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب اسی بزم اہل کمال کے ایک رکن تھے۔

قدرت کی طرف سے مرزا کی طبیعت میں نہایت اعلیٰ درجہ کا ملکہ شاعری ودیعت کیا گیا تھا مرزا نے اپنے ملکہ طبعی اور استعداد فطری کا اصلی جولانگاہ فارسی زبان کو بنایا جو اس وقت ملک میں مشق سخن اور تکمیل انشاء پردازی کا ایک ہی ذریعہ سمجھی جاتی تھی اور اس میں اس درجہ کمال بہم پہونچایا کہ اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اور ماہر فن تسلیم کیے گئے۔ مرزا کو خود اپنے رتبہ کا احساس اور اپنے کلام فارسی پر فخر و ناز تھا۔ ایک غزل کے مقطع میں کہتے ہیں ؎

تو اے کہ محو سخن گستران پیشینی مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست

ایک دوسرے مقطع میں کہا ہے ؎

تو بدیں شیوہ گفتار کہ داری غالب گر ترقی نہ کنی شیخ علی را مانی

مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ مومن خاں نے جو خود ایک مشہور اور باکمال شاعر اور مرزا کے معاصر تھے یہ مقطع سنکر کہا کہ مرزا نے اس میں سر مو مبالغہ نہیں کیا ہے۔ ہم کسی طرح ان کو علی حزیں سے کم نہیں سمجھتے۔

مرزا کو کبھی تفنن طبع اور کبھی احباب و معاصرین کی ضیافت خاطر یا قلعہ دہلی کے تعلق سے اردو شعر کی طرف توجہ کرنا پڑا لیکن وہ زمانہ کے خیالات کے مطابق اردو شاعری کو داخل کمالات نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو اپنے درجہ کمال سے فروتر اور اسکی طرف انتساب اپنے لیے باعث ننگ خیال کرتے تھے جیسا کہ قطعہ ذیل سے جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس میں شیخ ابراہیم ذوق پر تعریض ہے ظاہر ہوتا ہے۔ ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہاے رنگ رنگ — بگزر از مجموعہ اردو کہ بیرنگ من است
راست میگویم من و از راست سر نتواں کشید — آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

مرزا کے کسی دوست نے ایک خط میں ان کے کسی اردو غزل کی تعریف لکھی ہے مرزا اس خط کے جواب میں کہتے ہیں "تم غزل کی تعریف کرتے ہو اور میں شرماتا ہوں بھائی یہ غزلیں کاہے کو پیٹ پالنے کی باتیں ہیں میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر مجھ کو ناز ہے کوئی ان کا لطف نہیں اٹھاتا"

مرزا کے عہد تک ادبیات اردو کا حلقہ نہایت تنگ اور محدود تھا نصاب تعلیم و تعلم سے اردو زبان بالکل خارج رکھی گئی تھی اور اردو میں خط و کتابت کرنا ابتدائی تعلیم یافتہ اشخاص تک کے لیے معیوب تھا۔ تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں غزل گوئی یا فسانہ نگاری اور معاملات زندگی میں روزمرہ کی بول چال بھی اردو کی کل کائنات تھی اعلیٰ علمی اور مذہبی تصنیفات کی اصل زبان عربی اور دوسرے درجہ میں فارسی تھی۔ دقیق اور سنجیدہ علمی و مذہبی مباحث کو اردو میں تحریر کرنا علم کی توہین اور اہل علم کی شان سے بعید سمجھا جاتا تھا اور انہی حالات و خیالات کی بنا پر اردو شاعروں کی تمام ہمت و توجہ صرف زبان کی صفائی۔ طرز ادا کی سادگی اور محاورہ بندی میں منحصر تھی۔ عمیق خیالات اور لطیف و نازک تشبیہات و استعارات اور بیان حقائق و دقائق وغیرہ مضامین عالیہ سے زبان اردو کا دفتر یکسر خالی تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اردو اعلیٰ علمی تصنیفات سے قطعاً محروم اور دقیق و سنجیدہ خیالات کو ادا کرنے کے ناقابل سمجھی جاتی تھی۔

اردو کے تمام نامور شعراء کا مطمح نظر یہ تہا کہ کلام سادہ اور صاف ہو کہ سامع کو اس کے سمجھنے کے لیے فکر و ذہن پر بار ڈالنا نہ پڑے۔ ان کی ساری محنت و سعی اس میں صرف ہوتی تھی کہ وہی پامال اور فرسودہ مضامین جو ہمیشہ سے فارسی اور پھر اردو میں بندھتے چلے آئے ہیں نئے عنوان سے معمولی بول چال اور روزمرہ میں اس طرح ادا کیے جائیں کہ نئی بندش پرانی بندشوں سے بڑھ جائے۔ اور بقول مولانا حالی مرحوم "میر سے ذوق تک جتنے مشہور غزل گو گزرے ہیں ان کی غزلوں میں ایسے

مضامین بہت کم نکلیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں۔

مرزا غالب کی فطرت سطح عام سے اس درجہ بلند اور مرتفع واقع ہوئی تھی کہ وہ عامیانہ زندگی اور معمولی حالات و واقعات میں بھی شاہراہ عام پر چلنا پسند نہیں کرتے اور عامیانہ خیالات اور سوقیانہ محاورات تک سے حتی المقدور اجتناب کرتے تھے۔ شاعری کے وسیع میدان میں قدم رکھنے کے بعد اس محدود و تنگ دائرہ میں حرکت کرتے رہنا ان کی جودت طبع اور ہمت بلند سے بعید تھا۔ مرزا نے قدیم اور چلتی ہوئی شاہراہ عام کو چھوڑ کر اپنے لیے ایک نیا اور غیر مسلوک راستہ اختیار کیا اگرچہ راہ دشوار گزار اور پر خار تھی لیکن اس کو انھوں نے اپنی ہمت مردانہ اور استقامت طبع سے ایسا ہموار و مسطح بنا دیا کہ دنیائے زبان اردو ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

مرزا غالب نے ایک طرف نثر اردو میں سادہ وقائع نگاری کا ایسا لاجواب نمونہ پیش کیا کہ دنیا اس کی نقل و تقلید سے عاجز رہی۔ اور اگرچہ کسی سے اس کے متبع کا پورا حق نہیں ادا ہو سکا لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ زمانہ موجودہ کی سلیس اور صاف اردو کا سنگ بنیاد غالب کے اردوئے معلی میں رکھا گیا تھا۔ اور دوسری طرف نظم اردو میں یہ صنعت گری کی کہ زبان اردو دنیا کی ان زبانوں کے مقابلہ میں آنے کے قابل ہو گئی جو گنجینہ علوم اور ادبیات کی مالک سمجھی جاتی ہیں۔

مرزا غالب نے اشعار کے محض عام فہم ہونے پر اس کو ترجیح دی کہ ان کے طرز خیال میں ندرت اور اسلوب بیان میں جدت پائی جائے۔ ان کی معنی آفرینی اور سخنہ سنجی نے قلمرو اردو کو دقیق اور بلند خیالات سے مالا مال کر دیا اور ریگستان اردو میں خوبصورت و پاکیزہ تشبیہات اور دلکش و لطیف استعارات کا دریا بہا دیا اور ادائے مطلب کے لیے نئے نئے اور اچھوتے اسالیب بیان اور استعارات و کنایات کے استعمال کا ایک نیا باب کھول دیا جس سے نہ صرف اردو شاعری کی کایا پلٹ ہو گئی بلکہ زبان اردو کی حیثیت و ہیئت تبدیل ہو گئی۔

غالب کی دقیقہ سنجی نے یہ ثابت کر دیا کہ تھوڑی توجہ اور اہتمام سے زبان اردو میں ہر قسم کے علمی مسائل حکیمانہ خیالات اور فلسفیانہ عقاید بیان کیے جا سکتے ہیں اور یہ خیال کہ اردو عمیق اور دقیق خیالات و مضامین کو ادا کرنے کے ناقابل ہے صحیح نہیں ہے۔

مرزا آغاز عشق میں ایک عرصہ تک فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں مرزا عبدالقادر بیدل کے طرز پر چلتے رہے جو اس وقت تک ہندوستان کی فارسی شاعری میں ایک مقبول طرز تھا

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مرزا نے بیدل کی روش کو اردو میں منتقل کرنا اور رواج دینا چاہا۔ لیکن بیدل کا طرز خود فارسی میں بھی متروک ہو چلا تھا اور اردو کے لیے تو بالکل حسب حال نہیں تھا جیسا کہ خود کہتے ہیں ؎

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا　　اسد اللہ خاں قیامت ہے

اس لیے کچھ تو احباب مخلصین کے مشورہ و فہمایش اور زیادہ تر اپنی سلامت روی اور استقامت طبع سے وہ روش کو چھوڑتے گئے اور آخر کار ایک ایسی معتدل روش پر آ گئے جس کو خاص مرزا کی روش کہنا چاہیئے۔

تاہم جو رنگ اوائل میں طبیعت پر چڑھ گیا تھا اس کا اثر آخر تک کچھ نہ کچھ باقی رہا اور باوجودیکہ ترتیب دیوان کے وقت مرزا نے ابتدائی کلام کے بڑے حصہ کو جس میں بیدل کا رنگ غالب تھا۔ دیوان سے خارج کر دیا پھر بھی موجودہ دیوان میں اوّل سے آخر تک بے شمار ترکیبیں ایسی ملتی ہیں جن میں بیدل کا رنگ صاف نمایاں ہے مثلاً دام شنیدن، رستخیز اندازہ، ماتم ایک شہر آرزو وغیرہ ان کے علاوہ بعض پوری غزلیں ایسی ہیں جن کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالقصد بیدل کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ اور قصائد میں بھی تقریباً یہی حال ہے۔

مرزا کا طرز جدید اردو زبان کے لیے ایک بالکل اجنبی اور غیر مانوس طرز تھا اور اس میں سلاست و صفائی زبان کا وہی معیار قائم رکھنا جو تمام اگلے اور پچھلے شعرا اردو نے قرار دے رکھا تھا۔ ناممکن تھا۔ شوکت خیالات، دقت مضامین اور نزاکت تشبیہات عوام کی سمجھ سے بالاتر تھیں اور خواص نے بھی جو زبان اردو کو روزمرہ کی گفتگو میں محدود اور اردو شاعری کو صرف محاورہ بندی اور صفائی زبان میں منحصر کیے ہوئے تھے غالب کی جدت طرازی کو بنظر استحسان نہیں دیکھا اور عوام و خواص دونوں نے ہم زبان ہو کر غالب کے اشعار اردو کے برخلاف اشکال و اغلاق کا اعتراض بلند کیا اور عام طور پر یہ خیال پھیل گیا کہ غالب کے اردو اشعار میں سادگی اور صفائی جیسا کہ چاہیے نہیں ہوتی الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی ترتیب ایسی ہوتی ہے کہ سامع کا ذہن آسانی سے معنی مقصود تک نہیں پہونچتا بلکہ انتشار و اشتباہ میں مبتلا ہو کر معنی مراد سے دور بھٹک جاتا ہے۔

مرزا نے خود ہمعصروں کے اس نکتہ چینی اور اعتراض کی طرف جا بجا نہایت لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا ہے۔ ایک رباعی میں کہتے ہیں۔ ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل — سُن سُن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایک دوسرے شعر میں کہتے ہیں ؎

نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ — گر نہیں ہے میرے اشعار میں معنی نہ سہی

بہرحال فارسی مصادر و اضافات اور فارسی تراکیب و محاورات کے شمول سے جن کا استعمال یقیناً غالب نے دوسرے شعرائے اردو کے مقابلہ میں نسبتاً بہت زیادہ کیا ہے ان کی زبان کی بہ نسبت جو رائے چاہو قائم کرو اس میں شبہ نہیں کہ تعمق خیال، وسعت نظر، بلندی تخیل اور تنوع مضامین جس خوبصورتی اور افراط کے ساتھ غالب کے مختصر دیوان میں پائے جاتے ہیں اردو شاعری میں دوسری جگہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بایں ہمہ مرزا کے کلام میں معنی آفرینی اور متانت و جزالت کے ساتھ تشبیہوں کی جدت اور طرفگی استعارات کے باوجود عام پسند سادگی و سلاست مضامین کا عنصر بھی کافی حد تک موجود ہے اور دیوان کا معتدبہ حصہ اس قسم کی سادگی و صفائی کا بہترین نمونہ ہے۔

مثال کے لیے ذیل کی غزلیں ملاحظہ ہوں۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے — تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا — کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے
رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز — سوائے بادہ گلفام مشک بو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو — نہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں — سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو
غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے — نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

دل ناداں تجھے کیا ہوا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
روک لو گر غلط کرے کوئی
بخشدو گر خطا کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن مقرر ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

انسانی زندگی اور انسان کے خصائل و جذبات کا مرزا نے نہایت غائر مطالعہ کیا تہا اور اسرار خلقت اور رموز فطرت پر نہایت عمیق نظر ڈالی تھی دیوان میں بہ مشکل کوئی غزل ایسی نکلیگی جس میں فطرت انسانی یا حقایق کون کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اس قسم کے سارے اشعار کا استقصا کرنے کی تو اس مختصر مضمون میں گنجایش نہیں ہے نمونہ کے لیے متعدد غزلوں سے کچھ متفرق اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ ؎

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

• فطرت انسانی کے ایک مخفی راز کا بیان ہے۔ جس سے عموماً لوگ غافل ہیں۔ عام طرح پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیاوی اغراض و مقاصد کی تحصیل میں انسان کی سرگرمی موت سے غافل رہنے کے سبب سے ہے۔ مرزا بتلاتے ہیں کہ واقعہ اس کے برعکس ہے یعنی انسان کی سرگرمی اور انہماک موت کے اذعان و یقین سے ہے۔ اگر مرنا نہ ہوتا تو کسی کام کے لیے مستعدی اور جانفشانی کی ضرورت نہیں رہتی اور جینا بے لطف ہو جاتا۔ ؎

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا　　بلبلیں سنکر میرے نالے غزلخواں ہو گئیں

تشبیہی زبان میں نوع انسان کے اس فطرت کو بتلایا ہے کہ کسی غیر معمولی اور نئے کام کو اختیار کرنے میں عوام ہمیشہ منتظر رہتے ہیں کہ کوئی باہمت شخص آگے بڑھ کر اس کو شروع کرے۔ ہمت کر کے کام شروع کر دو پھر سب خود بخود تمہارے ہم نوا اور مقلد ہو جائیں گے

• آرایش جمال سے فارغ نہیں ہنوز　　پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

عالم امکان کو خلق اور اس میں سلسلۂ اسباب و مسببات قائم کر کے خالق کائنات انتظام عالم سے فارغ اور بے تعلق نہیں ہو گیا۔ بلکہ اس کا تعلق سلسلۂ اسباب میں جو بمنزلہ نقاب کے ہے صرف پوشیدہ ہو گیا ہے۔ ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ　　دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

کوئی چیز ہو درجہ کمال تک پہونچنے کے لیے درمیانی منازل میں صدہا آفات اور ہزاروں موانع سے سابقہ پڑتا ہے جس سے بچکر نکل جانا آسان نہیں۔ قطرۂ آب ابر نیساں سے چلا اور موتی بننے کے لیے بطن صدف میں پہونچتا ہے۔ صدف قعر دریا میں ہے اور سطح دریا پر امواج گوناگوں کا تلاطم ہر موج بجائے خود قطرہ کے لیے ایک آفت اور اس کو فنا کرنے کے لیے طیار اور پھر ہر موج میں صدہا دہان نہنگ کا حلقہ آفت در آفت۔ پورا مضمون استعارہ میں ہے۔ ؎

ایک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا　　یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

نظام کلی میں ہر شئے اگرچہ بظاہر کتنی ہی بیکار نظر آوے اپنے وجود کی ایک غایت رکھتی ہے کہ اگر اس کو سلسلہ سے خارج کر دیا جائے تو سارا نظام درہم و برہم ہو جاوے۔ باغ کی روش پھول پھل نہیں دیتی اور بیکار نظر آتی ہے لیکن اگر روش نہ ہو تو باغ اور جنگل میں کوئی فرق نہ رہے

میری تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی　　ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

مسئلہ کون و فساد کا بیان ہے اور بتلایا ہے کہ کائنات میں کون اور فساد یعنی بننا اور بگڑنا جس کو شعر میں تعمیر اور خرابی سے تعبیر کیا ہے لازم و ملزوم ہیں وہی قوت ہو تعمیر کا باعث ہے۔ عین حالت تعمیر میں تخریب کی بھی مقتضی ہے گویا تعمیر کی غایت ہی تخریب ہے اور اس دعوی کو دہقان اور خرمن کی مثال سے ثابت کیا ہے۔ دہقان کا خون گرم یعنی غلہ پیدا کرنے میں اسکی کد و کاوش وہی بعینہ برق خرمن یعنی غلہ کے انبار کو فنا کرنے والی بھی ہے اور حقیقتاً غلہ پیدا کرنا اس کو فنا کرنے ہی کے لیے تھا۔ استدلال کی قوت تشبیہ کی خوبی اور اصطلاحات فلسفہ باموقع اور برمحل استعمال محتاج بیان نہیں ہے۔

اسی مضمون کو ایک دوسرے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے :—

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے — انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

مرزا کے کلام میں حقایق و معارف عارفانہ کا عنصر بھی کم نہیں ہے۔ مسئلہ وحدت وجود علم تصوف کا ایک مشہور اور دقیق و نازک مسئلہ ہے مرزا کے اشعار میں جابجا اس کی طرف نہایت لطیف اور دلکش پیرایہ میں اشارہ پایا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ توحید وجودی ہی کو اصل دین اور عین ایمان سمجھتے تھے۔ تمثالاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

دم ہر قطرہ ہے ساز انا البحر — ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

نہ تھا جب کچھ خدا تھا گر نہ ہوتا کچھ خدا ہوتا . ڈبویا ہم کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود — ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

حوادث دہر اور انقلابات روزگار کے بیان کرنے میں مرزا کے قلم کو خاص قدرت حاصل ہے

اور اس مضمون پر ان کے کلام میں درد و اثر کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ و آسمان کی شکایت یا معشوق کی سرد مہری اور بے وفائی کا شکوہ جو ان کے کلام میں نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے وہ خیالی مصائب اور فرضی جور ستم کی داستان نہیں ہے بلکہ آپ بیتی کہانی ہے۔ جو بمصداق ۔ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد ۔ دل سے نکلی اور دل ہی پر اثر کرتی ہے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۔۔۔ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے ۔۔۔ کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار ۔۔۔ اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

گلشن میں بند و بست بطرز دیگر ہے آج ۔۔۔ قمری کا طوق حلقۂ بیروں در ہے آج
آتا ہے یک پارۂ دل فغاں کے ساتھ ۔۔۔ تا زلف یار کمند اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل ۔۔۔ سیلاب گریہ در پہ دیوار و در ہے آج

دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں ۔۔۔ آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ سارا جل گیا
دل نہیں ورنہ دکھاتا تجھ کو داغوں کی بہار ۔۔۔ اس چراغاں کا کہوں کیا کارفرما جل گیا
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل ۔۔۔ دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

اسی موقع پر ایک قطعہ نقل کیا جاتا ہے جس میں مرزا نے شاعرانہ پیرایہ میں دنیا کی دو متضاد حالتوں کا مقابلہ کیا ہے ایک مصرعہ میں ان لوگوں کی حالت بیفکری اور تنعم کو دکھایا ہے جو عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ناز و نعمت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں ان لوگوں کی حالت بیان کی ہے جو اس عیش و عشرت کے مقابلہ میں درد و مصیبت اور رنج و کلفت کی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور اس سے معلوم ہوگا کہ مرزا نے دنیا کے نشیب و فراز اور اختلاف حالات پر کیسی غائر نظر ڈالی اور اس سے کس درجہ متاثر تھے ۔۔

قطعہ مذکور درج ذیل ہے :۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا — شعلہ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا
واں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر خرام — گریہ سے یاں پنبۂ بالش کف سیلاب تھا
واں خود آرائی کو تھا موتی پرونیکا خیال — یاں ہجوم اشک میں تار نگہ نایاب تھا
جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو — یاں رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا
یاں سر پر شور بیخوابی سے تھا دیوار جو — واں وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تھا
یاں فسردن کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی — جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا
فرش سے تا عرش واں طوفان تھا موج رنگ کا — یاں زمیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ادنیٰ تصرف معنوی سے ہر زمانہ میں زندگی کے تبدیل شدہ حالات و معاملات اور انسان کے نوخیز جذبات و واردات پر منطبق ہو جانیکی اس میں ایسی صلاحیت ہو گویا خاص اسی موقع کے لیے کہا گیا تھا۔ یہ ضرور نہیں ورنہ ممکن ہے کہ وہ تمام حالات و واردات جو مضمون شعر کے محمل اور مصداق ہو سکیں شاعر کے ذہن میں بالتفصیل موجود ہوں۔ حالات و معاملات خارجی ہمیشہ بدلتے رہتے اور نئی نئی صورتوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جذبات و وجدانیات باطنی ہمیشہ یکساں اور غیر متبدل رہتے ہیں۔ پس جو شاعر انسانی فطرت انسانی اور اصول طبیعت کا جس قدر زیادہ غائر اور عمیق مطالعہ کریگا اسی قدر زیادہ کمال اور خوبصورتی کے ساتھ اس کے اشعار میں یہ خاصہ پایا جائیگا۔ غالب کا دیوان اٹھا لو اور دیکھو کہ اس کے اشعار ہر زمانہ ہر آب و ہوا اور ہر طبیعت کی موافقت کرتے ہیں یا نہیں مثلاً مرزا غالب کہتے ہیں ؎

جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا — سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

زمانہ حال کا ایک مرد سیاست بادہ و جام کو آزادی و اقتدار قومی کا کنایہ قرار دیتا اور یہ مطلب سمجھتا ہے کہ قومی آزادی اور اقتدار ہی اصل قوم کی زندگی ہے اور جب کسی قوم کو آزادی اور قومی حکومت حاصل ہو گئی تو گویا اس کو سب کچھ مل گیا اور قوم میں جان پڑ گئی ایک دوسری غزل میں کہتے ہیں ؎

عشق تاثیر سے نومید نہیں — جاں سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آئی ہے — جام مے خاتم جمشید نہیں

بیت اول میں لفظ عشق سے جب وطن مراد لیا جائے جو معنی لغوی کے اعتبار عموم عشق

کے تحت میں داخل ہے تو بلا کسی تاویل کے مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم میں حب وطن کا سچا جوش اور آزادی ملک کے ساتھ حقیقی عشق یا شوق ہے اور تم اسی راہ میں جانبازی کے لیے تیار ہو تو نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہیں عشق اپنا اثر ضرور دکھلائیگا اور تمھارا مطلوب ضرور تم کو حاصل ہوگا۔ دوسرے بیت میں جو اس دعویٰ کی دلیل تمثیلی ہے اس بات کو ایک گونہ صاف کر دیا کہ عشق سے شاعر کی مراد وہ محدود عشق و محبت نہیں جو عام غزل گویوں کا موضوع سخن ہے بلکہ وہ طلب صادق اور جوش و سرگرمی مقصود ہے جو انقلاب سلطنت کا باعث ہوا کرتی ہے ایک جگہ کہتے ہیں ؎

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی ۔ یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں ۔ ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

جنون عشق سے طلب صادق کی دہن مراد لو جس کا ایک فرد خاص جوش حب وطن بھی ہے اور دیکھو کہ زمانہ موجودہ کے ملکی حالات اور سیاسی کشمکش پر اس طرح صادق آجاتا ہے کہ گویا ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بہ حرف پوری ہو رہی ہے۔ واقعہ میں جب کسی قوم میں حب وطن کا احساس پیدا ہو گیا تو اس جنون کو دور کرنا آسان کام نہیں ہے۔ قید و بند اور دار و رسن سب اس کے مقابلہ سے عاجز اور مجانین وطن کے لیے بازیچہ اطفال بن جاتے ہیں۔

قومی مصائب کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا اور ان پر اپنے درد دل کا اظہار نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ قوم مردہ ہو چکی بلکہ ایسی خاموشی ہی قوم کے مرگ کا باعث ہو جاتی ہے ذیل کا شعر کس عمدگی سے اور کتنی خوبصورت تشبیہ کے ساتھ اس مضمون کو ادا کرتا ہے ؎

زبان اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی ۔ یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

یہ صحیح ہے کہ مرزا غالب نہ سیاسی شاعر تھے اور نہ ان کی شاعری کا مقصود قوم کو اسکی سیاسی حالت پر متنبہ کرنا اور سیاست کی تعلیم دینا تھا۔ لیکن اول کا زمانہ بدبخت ہندوستان اور خصوص مسلمانوں کے لیے انتہائی مصیبت و پریشانی کا زمانہ تھا۔ ہندوستان سے اسلامی جاہ و جلال کچھ مدت پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا اور اس کا دھندلا سا نشان جو باقی رہ گیا تھا ہنگامہ ۱۸۵۷ء نے اس کو بھی مٹا دیا اور ایسی بے رحمی کے ساتھ مٹایا کہ دنیا کی تاریخ میں اسکی مثال کم ملیگی ایسے عظیم الشان اور مہیب انقلابات مردہ و بیحس دلوں کو بیچین اور مضطرب کر دیتے ہیں غالب جو ایک ذکی الحس شاعر تھا پہلو میں دل اور دل میں درد رکھتا تھا کیوں کر ممکن تھا کہ اس کا شاعرانہ

اور اثر پذیر دل تقلبات اور نیرنگی روزگار سے بیحس و بے خبر رہے اور کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ایک بلند پایہ شاعر جس کی آنکھ کے سامنے اتنا بڑا انقلاب واقع ہو جائے اور جس نے ان روح فرسا اور جاں گداز واقعات کا نہ صرف بچشم خود مشاہدہ کیا ہو بلکہ بذات خود اس میں شریک اور اس کے تبعات و آثار میں گرفتار رہا ہو اور جس کا دل ان حالات و حوادث سے اس درجہ مضطر و بیقرار ہو کہ ذاتی خطوط میں اس کے قلم سے بے ساختہ درد دل تراوش کر جاتا ہو اس کے اشعار میں جو شاعر کے واردات قلبی اور ہیجان باطنی کے ترجمان ہوتے ہیں اس درد و اثر کا کوئی نشان نہ پایا جائے۔

مرزا کے کلام میں افسردگی اور تسلیم و رضا کے مضامین جو بہ افراط پائے جاتے ہیں میری رائے ناقص میں اس کے محرک زیادہ تر یہی حالات و حوادث ہیں اور ذیل کا قطعہ جو حسرت و عبرت اور یاس و ناامیدی کا ایک عدیم المثال مرقع ہے۔ حقیقتاً زوال دولت مغلیہ کا نوحہ اور بربادی قلعہ دہلی کا دردناک مرثیہ ہے ؎

اے تازہ واردان ہوائے بساط دل — زنہار اگر تمھیں ہوس نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامان باغباں و کف گلفروش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے
لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ — یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم جو بزم میں آ کر کے دیکھیے — نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اس کے علاوہ بہتیرے اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں آفات روزگار و مصائب زمانہ کا عام لفظوں میں ایسا پر درد بیان ہے کہ اگر ان کو بھی انقلاب سلطنت اور بدبختی قومی کا کنایہ سمجھا جائے تو مستبعد اور خلاف قیاس نہیں ہوگا اور کم سے کم اس میں تو شبہ نہیں کہ قوم کی تباہی و بربادی اور خاندانی امراء شرفاء اور روساء کی بیکسی اور بے خان و مانی کا جو ہولناک منظر مرزا کے پیش نظر تھا اور جس کا گہرا احساس ان کے شاعرانہ دل کو ہو رہا تھا۔ ان جذبات و تخیلات

دردمندانہ کو برانگیختہ کرتے اور پھر ان کو بہ پیرایہ شعر ظاہر کرتے ہیں ان سب حالات و معاملات کو بہت بڑا دخل ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ؎

پھوٹ پڑتے ہیں تماشہ اس چمن کا دیکھ کر　　نالۂ بے اختیار بلبل نالاں ہیں ہم

الغرض غالب کا دیوان محاسن شعری و مضامین عالیہ کا ایک بیش بہا مجموعہ ہے جس میں ہر شخص اپنی اپنی استعداد اور مذاق کے موافق اپنی دلبستگی کا سامان مہیا پاتا ہے جو لوگ سادگی الفاظ و صفائی بندش کو کمال شاعری سمجھتے ہیں ان کی دلچسپی کا سامان بھی موجود ہے اور جو لوگ دقیق و عمیق خیالات کے طالب ہیں ان کے لیے بھی الوان نعمت موجود ہیں۔ سچ فرمایا ہے مولانا حالی مرحوم نے کہ جب میر و سودا ان کے مقلدین کے کلام میں ایک ہی قسم کے خیالات اور مضامین دیکھتے دیکھتے جی اُکتا جاتا ہے اور اس کے بعد مرزا کے دیوان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو ایک دوسرا عالم دکھائی دیتا ہے اور جس طرح ایک خشکی کا سیاح سمندر کے سفر میں یا ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر ایک بالکل نئی اور نرالی کیفیت مشاہدہ کرتا ہے اسی طرح مرزا کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

محشرستان

ہندوستان کے نامور اور ہر دلعزیز فسانہ نگار حضرت محشر عابدی۔ بی۔ اے کے دلکش اور منتخب فسانوں کا بےنظیر مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کا تعارف ہندوستان کے شاعر اعظم مصور جذبات حضرت جوش ملیح آبادی نے تحریر فرمایا ہے۔ اسکی کتابت اور طباعت انتہائی جاذب نظر اور دیدہ زیب ہے اور اس کا سرورق اسم با مسمی محشرستان ہے جو حیدرآباد کے مشہور آرٹسٹ قیوم نے بنایا ہے اس کتاب میں بارہ فسانے شامل ہیں جو اردو شعرا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی نادر اور رنگین اور دلچسپ فسانے (۱) شادی کی رات (۲) تصویر کی زندگی (۳) ادیب کی بیوی (۴) وعدہ شکن (۵) دو آنسو اور (۶) سوبھا ہیں کتاب چھوٹی سائز کے تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے اسکی قیمت مجلد (عہ) اور غیر مجلد (عہ) ہے حسب ذیل پتہ سے طلب کیجئے۔

پتہ:- منیجر عہد آفرین پریس اور بروز دفتر مالگزاری۔ اسٹیشن روڈ حیدرآباد

دوست کی جستجو

محمد عبدالرزاق بسمل

کتاب درد محبت کی ابتدا ہے تو
خبر ملی نہیں جسکی وہ انتہا ہے تو

دل شکستہ بیکس کا مدعا ہے تو
الم میں لطف ملے جس سے وہ دوا ہے تو

چمن میں جب کبھی بلبل نے نغمہ چھیڑا ہے
سمجھ گئے ہیں یہ گیا ز مزمہ سرا ہے تو

چمک میں برق کی خورشید کی ضیا میں ہے
حجاب طور میں آخر کہاں بتا ہے تو

ستاروں نے نہ دیا جب کوئی جواب مجھے
تو بڑھ کے چاند سے پوچھا کہاں چھپا ہے تو

کبھی میں دیر میں پہونچا کبھی حرم میں گیا
ملا نہ تیرا پتہ ایسا بے پتا ہے تو

حریم ناز میں سو سو آہوں میں چھپ کر
اسی امید میں شاید کوئی ادا ہے تو

تو وہ ہے جس سے ہی ہستی کی گرم بازاری
میں وہ ہوں میری محبت کا منتہا ہے تو

تلاش کی تو بہت شش جہت میں تو نہ ملا
جو ڈھونڈھا دل میں تو دیکھا چھپا ہوا ہے تو

غوطہ خور اور موتی ×

کپتان محمد اعجاز علی صاحب شہرت

سیاہ مخمل پر اور اس مہذب زمانہ کے برقی روشنی میں موتی کیسے دلفریب نظر آتے ہیں بانڈہ اسٹریٹ ففتھ آوے نیو۔ اور رودی لاپاے کے پھلے مانس جب کسی کے سامنے انتخاب کے لیے موتی پیش کرتے ہیں تو اس وقت کیسے سنجیدہ بن جاتے ہیں۔ عورتیں تو اسی زمانہ سے موتیوں پر فریفتہ ہیں جبکہ پہلا غوطہ زن ہاتھ میں ایک کثیف بھورے رنگ کی صدف کے اندر ایک دولت لیے ہوئے۔ آنکھوں پر سے کھارے پانی جھٹکتا ہوا سانس لینے کو بیتابانہ سطح آب پر نمودار ہوا۔ موتیوں نے تاریخیں بنا دی ہیں۔ خاندانی حکومتوں میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ عشق و صحبت کی بنیادیں قائم کر دی ہیں۔ لیکن سمندر کے یہ آنسو اب تو گندم گون اور سیاہ رنگ آدمیوں کے آنسو ہو گئے ہیں۔ میں لندن اور نیویارک کی نمائشوں پر چین بر جبیں ہو جاتا ہوں میں تو موتیوں کی قیمتوں سے واقف ہوں۔ پہلے پہل بندر امسودہ پر مجھ کو موتی دیکھنے اور سوداگروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ایک مرد یونانی نے مجھ کو مکرونے (اطالوی سیویاں) پر لنچ کرتے ہوے دیکھا۔ وہ آکے میرے سامنے بیٹھ گیا کچھ شراب پی اور باتیں کرنے لگا۔ موسم کے متعلق تھیں۔ یہ تو ایسا مضمون ہے جس پر بحر احمر کے قریب کوئی گفتگو نہیں کرتا۔ یونانیوں کے عادت کی موافق اس نے زندگی کی ہار جیت کا مکالمہ شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں ظاہر ہو گیا اس کی زندگی کا بازیچہ موتی ہیں۔ موتی! اس نے مجھے پوچھا کیا آپ کچھ موتی دیکھیں گے؟ میں نے اپنے عینک کو ٹھیک کر کے کہا ہاں۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کے سرخ کپڑے کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں نکالیں اور ان کو ایک شان سے میز پر رکھ کے ایک پوٹلی کو کھولا ایک خوشنما موتی دھوپ کی روشنی میں نہایت آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہوا نکلا۔ مجھ سے کہنے لگا دیکھو۔ روشنی میں اچھی طرح دیکھو کوئی عیب نہ نکال سکو گے اس نے سچ کہا۔ حقیقت میں کوئی عیب نہ تہا میں نے کہا قیمت (موتی تو میرے چٹکی میں تہا اور اس کی رسیلی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں) کہنے لگا پچاس پونڈ۔ میں نے تبسم کر کے سر ہلا دیا اس کا ہاتھ میرے طرف بڑھا اور چند لمحوں میں موتی پھر اسی پوٹلی میں بندہ گیا اس نے اور رقم کے موتی نکالنا شروع کیا۔ سیاہ (کاکا باسی)

× ایک انگریزی مضمون سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اصل عبارت کے لفظی ترجمہ کے حرص میں اپنے زبان کے لطف اور محاورات کو ضائع نہیں کیا

گلابی۔ سبزی مائل سفید۔ شفاف سفید۔ یونانی کے سفید میلے کوٹ کے جیب میں ایک معقول دولت بھری ہوئی تھی۔ ایک کے بعد ایک میری ہتھیلی پر رکھے گئے۔ سیاہ موتی پر تو میں لوٹ گیا۔ ہم نے اس پر گفتگو شروع کی۔ شراب کا اور ایک شیشہ طلب کیا گیا۔ گفتگو تقریباً ایک گھنٹہ تک ہوتی رہی۔ آخر میں۔ میں تو یہ کہہ کے اٹھ گیا۔ بس بھائی تمھارے دام بہت زیادہ ہیں میں تو نہ لونگا

یونانی نے اس کو چٹکی میں پکڑ کے کہا۔ اس موتی کی کوئی قیمت زیادہ نہیں ہو سکتی جس کی تلاش میں تین جانیں ضائع ہوئی ہوں۔

تین جانیں! میں تو یہ سن کے چونک پڑا۔

اس نے سر ہلا دیا اور چھوٹی سرخ پوٹلی باندھتے باندھتے یہ واقعہ شروع کیا۔

ایک کشتی کے غوطہ زن مقام دھلک پر کام کر رہے تھے۔ جو ساحل افریقہ کے موتیوں کے جزیرے کے قریب اور مسودہ سے کچھ دور نہیں ہے ایک شمالی غوطہ زن تختہ پر سے پانی میں کودا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہوا اس مقام کی طرف چلا جہاں سیپیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے ایک خاص بڑی صدف کی طرف ہاتھ بڑھایا یکایک صدف نے اسکی انگلی پکڑ لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا برہنہ پاؤں ایک بڑے (کلام) حیوان آبی سے ٹکرا گیا۔ وہ اس کی گرفت کے شکنجہ میں پھنس گیا۔ اب وہ ہر طرح اس نیلگوں گہرائی کی تاریک دنیا میں گرفتار تھا۔ دوسرے غوطہ زن تو باہر نکل آئے اور تازہ ہوا میں دم راست کرنے لگے لیکن اس گرفتار سمالی کے زیر آب مصیبت سے کوئی باخبر نہیں ہوا تھوڑی دیر کے بعد اس کی گرفتاری محسوس ہوئی ایک شور اٹھا۔ معاً دو سمالی اس کی تلاش میں سمندر میں پھاند پڑے۔ پتہ مل گیا۔ ان دونوں نے اپنے چھریوں سے گرفت کو کھولا۔ صدف کے جسم کو چٹان سے کاٹ کے جدا کیا۔ لیکن وہ انگلی کو پکڑے رہے۔

یہ اوپر کی طرف ابھرنے لگے آفتاب کی روشنی کا رخ کیا۔ دو غوطہ زن اور ان کے ساتھ ایک لاش۔

اس وقت اور ایک آفت ناگہانی کا سامنا ہوا۔ ایک گھڑیال تیرتا ہوا نظر پڑا۔ سفید سفید پیٹ اور دندانہ دار غار سا منہ کھلا ہوا۔ ان دونوں میں سے ایک تو پکڑا گیا۔ باقیماندہ لاش کو گھسیٹتا ہوا بچ نکلا۔ جس کو گھڑیال نے پکڑ لیا تھا اس کی رہائی کی تو کوئی امید باقی نہ رہی تھی کالے کالے ہاتھ کشتی پر پھیل گئے اور غوطہ زن کو اوپر کھینچ لائے۔ سطح آب پر خون کی دھاریں

پڑ گئیں۔ اس کشتی کے ملاحوں نے دوسرے کشتیوں کے ملاحوں کو اس آدم خوار گھڑیال کی خبر دی۔

! حُوْ۔ حُوْ۔ حُوْ۔

اُدہر سے بھی جواب آیا۔ حُوْ۔ حُوْ۔ حُوْ۔ ان غوطہ خوروں نے اپنی ہیبت زدہ صورتیں پانی کے باہر نکال دیں اور آناً فاناً میں تختوں پر چڑھ گئے۔

وہ غوطہ خور جس کو گھڑیال نے پکڑا تہا قسمت کے حوالہ کر دیا گیا۔ خون آمیز آب بحر سے کچھ بڑبڑے اٹھے اور اس اندوہناک حادثہ کا انجام ظاہر ہو گیا۔ لاش خشکی پر لیجا کے دفن کر دی گئی۔ صرف اس کی انگلی سے کاٹ کر نکال لی گئی۔

اس کے اندر سے ایک کاکا باسی موتی برآمد ہوا جس کی قیمت پر تکرار ہو رہی تھی۔

میں نے پوچھا وہ تیسری موت۔

کہنے لگا جب سُمالی غوطہ زن کو گھڑیال لے گیا اور اس کی زوجہ نے یہ ماجرا سنا تو سر ہلا کے چپ ہو گئی نہ زبان سے ایک حرف نکلا نہ آنکھ میں ایک آنسو آیا۔ دل میں موت کا خیال بس گیا۔ خاموشی کے ساتھ جھونپڑی کو چلی گئی جہاں مسرت افروز شادی کے چند ہی مہینے گزرے تھے ٹھنڈے دل سے اس نے دیوار پر سے جمبیہ اتارا اور دل میں رکھ لیا اس دل میں جو پہلے ہی سے مردہ ہو چکا تھا۔ زندگی کے خاتمہ کے ساتھ اس کے لب پر تبسم نمودار ہوا۔ اس نے اپنے مردہ محبوب کو ایکبار پھر دیکھ لیا

یونانی نے اس واقعہ کو بیان کر کے خالی شدہ گلاس پر ایک نظر ڈالی۔

اس سیاہ موتی کی قیمت (۶۰) پونڈ طلب کیے۔ وہی تین موتوں والا۔ جونی موتی۔ گویا ہر ایک جان کی قیمت (۲۰) پونڈ۔ میں نے کہا ان غوطہ خوروں کو ذرا دیکھنا چاہتا ہوں اس نے کہا یہ تو بہت آسان ہے۔

"بمقابلہ سیاہ موتیوں کے سیاہ غوطہ زن بہت ہیں"۔

اسی روز دوپہر کے وقت مجھ کو مسودہ میں ایک عرب سوداگر کے مکان پر لے گیا۔ یہ عرب فقط موتیوں کا سوداگر ہی نہ تھا بلکہ غوطہ خوروں کے لیے اس کا مکان ایک طرح کی منڈی یا یوں کہیے کہ اکھاڑہ تھا۔ مٹی کی دیوار سے لگی ہوئی ایک بنچ پر چند غوطہ خور بیٹھے ہوئے دھوپ کھا رہے تھے عجب فلاکت زدہ صورتیں تھیں۔ ان میں دو اندھے بھی تھے جو بے نور آنکھوں سے دھوپ کو تک رہے تھے۔ تین آدمی بالکل بھرے بھی تھے۔ ان کے چہروں کے شکن اور ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تہا کہ

جو باتیں ہو رہی ہیں ان کے سمجھ لینے کا اظہار کر رہے ہیں سب کے سینے سپاٹ صاف تھے ان کے ہڈیوں پر جو سیاہ چمڑا منڈھا ہوا تھا اس کی وجہ سے سیاہ پیچھے غبار معلوم ہوتے تھے۔ ان میں جو اندھے اور بھرے نہیں تھے ان کی قیمت جدہ اور حدیدہ کے غلاموں کے منڈی میں مقابلتاً کم اٹھی۔ میں نے پوچھا یہ کمبخت بدنصیب کب سے اندھے ہوئے۔

یونانی نے جواب دیا میں کہہ سکتا ہوں اندازاً تین سال سے مگر جب وہ زیر آب ٹٹولتے ہیں تو اندھوں کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھتی ہے۔ نہ کی کوڑی لاتے ہیں۔

یونانی اپنی کہتا جاتا تھا اور میں موتیوں کے حقیقی قیمت کے معلومات حاصل کرتا جاتا تھا۔

گہرائیوں میں غوطہ مارنے سے قوت سامعہ زائل ہو جاتی ہے سمندر کے اندر کی عجیب صدائیں تھوڑی دیر کے لیے کانوں میں بھر جاتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سیپیاں اور گھونگے کانوں میں لٹک گئے ہیں یہ عجیب آوازیں خشکی پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں دماغ میں سناہٹ بسی رہتی ہے۔ کان برابر بجتے رہتے ہیں خواب میں بھی چونک اٹھتا ہے۔ پھر یکایک یہ آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور وہ قوت سامعہ سے بالکل بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ پکا غوطہ زن ہو جانے کے راہ پر آ گیا ہے بعض عرب اور افریقی غوطہ زن بالارادہ کانوں کو شگاف دلوا کے خود ساختہ بہرے بن جاتے ہیں تاکہ اس یوانہ ساز سناہٹ سے محفوظ رہ کے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ دیر تک غوطہ مار سکیں۔ یہ لوگ دم کو روکنے کی مشقتیں بھی کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ غوطہ لگاتے ہیں تو ایک قسم کا تار کا شکنجہ ناک پر چڑھا لیتے ہیں اور پیروں میں وزن باندھ لیتے ہیں۔ اس نیلگوں سبزی مائل گہرائیوں میں دیر تک ٹھہرنے کے باہمی مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ قیام اڑھائی منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا اور بحر احمر میں عام طور پر زیر آب دو منٹ قیام بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ بعض تو ڈیڑھ منٹ سے زیادہ نہیں رہ سکتے اور جب باہر نکلتے ہیں تو انکی گندم گوں اور سیاہ صورتوں سے تکلیف کی شدت نمایاں ہوتی ہے۔ غوطہ خوروں کی عمریں بھی بہت قلیل ہوتی ہیں۔ بحر احمر میں متصل ڈوبتے رہنے اور بہت گہرائیوں تک نیچے اتر جانے سے یا تو ان کے دل دب جاتے ہیں یا شش پھٹ جاتے ہیں اور تمام غوطہ خور یا امراض قلب یا امراض سل میں مبتلا ہو جاتے ہیں دس سال تک کام کرنے سے یا اندھے ہو جاتے ہیں یا بہرے یا دونوں۔

میں نے اس سے دریافت کیا۔ کیا یہ لوگ اچھا کما لیتے ہیں؟

اس نے شانے ہلا کے جواب دیا سخت افسوس ناک حالت ہے۔ سر سے پاؤں تک قرضہ میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کے باپ بھی مقروض مرے اور یہ اس قرضہ کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اپنی آیندہ نسل کے لیے کچھ بار زیادہ ہی کر دیتے ہیں۔ سوداگروں کا اصول ہے کہ جو کشتی بحر احمر کے قریب ترین جزیرہ میں جہاں موتی برآمد ہونیکا امکان ہے۔ جاتی ہے۔ تو اس کو اور اس کے کپتان کو بار احسان سے لادہ دیتے ہیں۔

چاول۔ کھجوریں اور دوسرے ضروریات کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیتے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ غوطہ خوران کی رقم کو لیکے نہ ڈوب جائیں گے خود کپتان بہی زیر بار قرض رہتا ہے۔ ایمانداری کے ساتھ سیپیاں اور گھونگے لادہ کے لاتا ہے کیا عجب ان میں سے درّ نایاب نکل آئے۔ غوطہ خوروں کے کشتیوں پر کبھی دھوکہ نہیں ہوتا بو سے پہچان لی جاتی ہیں۔ ان گونگے۔ بہرے۔ سپاٹ سینے والوں کا ہجوم خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لوگ وہی غوطہ زن غلام ہیں جو ایسے ایسے موتی سمندر کی تہ میں سے نکال لاتے ہیں جن کو تہذیب حسن افروز خیال کرتے ہیں۔

اکثر کشتیوں میں غوطہ خوروں کے بڑی بڑی جماعتیں کام کرتی ہیں ان کے ساتھ ڈوریں اور ٹوکرے بہی ہوتے ہیں اندھیرے میں غوطہ مارنے سے پہلے وہ روشنی میں دعا مانگ لیتے ہیں اور اللہ سے التجا کر لیتے ہیں کہ ان کو گھڑیال سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اگر مقدر نے یاوری کی اور دولت ہاتھ آئی تو اللہ کی ہے۔ یا اللہ گراں بہا گوہر نایاب عنایت کر۔

اس کے ساتھ ہی ایک برہنہ قطار۔ نتھنوں پر شکنجے چڑھائے چھریاں لیے ہوے سمندر میں پھاند پڑتی ہے غوطہ خوروں کی آمد سے سیپیاں کیوں کر آگاہ ہو جاتے ہیں۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سیپیاں اکثر منہ کھولے رہتے ہیں اور اپنی پیٹ پر پانی کی لہریں لیتی رہتی ہیں لیکن موہوم سا سایہ پانی میں ضعیف سا تغیر آنے والی چیز کی ضعیف سی حرکت محسوس ہوئی اور سیپ کا منہ بند ہو کے رہ گیا۔ وہ گہرائی جس کی حد تک عرب اور افریقی غوطہ زن اتر جاتے ہیں اس کے اور بھی مخصوص خطرات بہی ہیں۔ آب بحر کی مہلک تکاثف کے سبب سے نائٹروجن خون میں شریک ہو جاتا ہے۔ ایک فوری تغیر اس کو جسم میں داخل کر دیتا ہے اعصاب متاثر ہو کے مفلوج ہو جاتے ہیں۔ سیلان خون کا فقدان اجسام میں استرخاء۔ یہ تمام امراض غوطہ خوروں کے

نامحدود گہرائیوں تک اتر جانے کے شاہد ہیں۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے جو زیادہ تر زیر آب رہنے پر نازاں ہے وہ سطح آب پر تقریباً دم آخر نمودار ہوتا ہے۔ اس کی صورت سے آثار جان کنی ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکا یک تمام جسم مسترخی ہو جاتا ہے فقط اس کو کشتیوں پر فوراً چڑھا لیتے اور حفاظت جان کے بروقت اعمال سے جاں بر ہوتا ہے۔

یہ غوطہ زن اپنے موتیوں کو بعض اوقات نہایت سستے داموں فروخت کر ڈالتے ہیں۔ ساحل بحر کے سوداگر اس کو شناخت کر لیتے ہیں۔ ذیلہ۔ زنجبار اور مسوہ میں فضتہ اوے نیو کی قیمت نہیں ملتی دس پونڈ ان مفلوکوں کے حق میں ایک دولت ہے بہت سے موتی اسی طرح دست بدست نکل گئے ہیں اور آخر میں بمبئی پر فروخت ہوئے ہیں۔ اکتوبر ۱۸۲۹ء میں خلیج فارس کا ایک غوطہ زن عرب زیر آب سے وہ درّ شہسوار لیکے برآمد ہوا جس کی قیمت پچاس ہزار پونڈ اٹھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کشتی کے ساحل بحر تک پہونچنے سے پہلے وہ سخت قسم کے جنون میں مبتلا ہو گیا۔ وہ دولت جو اس کے لیے امانتاً تہ نشین تھی اس سادہ لوح کے تصور میں ہی نہ تھی۔ سیاہ موتیوں کی اس زمانہ میں بڑی قدر ہے۔ خاص کر وہ سبزی مائل سیاہ گوہر نایاب گلابی۔ ہلکا گلابی اور شربتی رنگ بھی گراں قیمت ہیں۔ سفید براق (گوہر غلطاں) اس دور میں چنداں گراں بہا نہیں خیال کیے جاتے بحر احمر میں غوطہ خوروں کے سوا اور بھی جو قابل لوگ ہیں وہ یہ سوداگر مسلک مروارید کے غلام ہیں یہ زیادہ تر عرب ہیں اور نہایت خست کے ساتھ اپنے ذخائر کی حفاظت کرتے ہیں بہت اصرار کرنے اور جی بھر کے قہوہ پینے کے بعد کہیں راضی ہوتے ہیں۔ اور دستک دے کے پیتل کی پٹیاں چڑھا ہوا وہ حقہ مروارید طلب کرتے ہیں جس میں یہ آبدار موتی محفوظ رہتے ہیں۔ میں تو ان کو دیکھ کر دم بخود ہو گیا ہوں۔ دیکھنے والا تو ان سبزی مائل سفید دولت کے سرچشموں کے معائنہ میں مشغول ہے۔ گندم گوں صورتیں اس کو گھیرے ہوئے ہیں بشتبہ نگاہیں اس پر پڑ رہی ہیں۔ کمر کے جنبیوں کے دستوں پر ہاتھ پڑ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو انڈیا یورپ اور امریکہ کی صنف نازک کے لیے وہ موتی بھیجتے ہیں جو ان کے مسرت اور ناز کے باعث ہوں۔

ان تینوں سمندروں کے موتی جو اس مردیونانی نے مسوہ میں مجھ کو دکھائے ہیں یا تو بمبئی جا کے کسی گندمی رنگ گردن کے زینت ہوں گے۔ یا لندن میں کسی گلوئے مرمریں کا ہار ہوں گے ان موتیوں پر جو بانڈ اسٹریٹ اور فضتہ آوے نیو کے سیاہ اور زرد مخملی حقوں میں رہتے ہیں اس وقت

دہنہ نہیں جس کے ساتھ وہ بحر احمر میں آلودہ رہتے ہیں وہاں تو وہی اندھوں کی ایک مختصر جماعت دھوپ میں تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوگی۔

جھوٹے موتی جو سمجھتا ہے انھیں تو دل میں
اور اس غم سے گھلے جاتے ہیں آنسو دل میں

داستان زندگی

بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر

کوئی ہے محو عیش طلبگار زندگی
کوئی ہے شکوہ سنج و گرانبار زندگی

اے مرگ اے شفیق گرفتار زندگی
اے موت اے رفیق دل افگار زندگی

عیسیٰ خصال و رحم بیمار زندگی
غمخوار غم رسیدہ و آزار زندگی

واقف ہوں وصف سے نہیں صورت سے آشنا
حائل ہے درمیان میں دیوار زندگی

بس اے اجل زیادہ نہ مٹی خراب کر
زندان زندگی میں ہوں بیزار زندگی

تدبیر کچھ رہائی کی رنج و محن سے کر
تقدیر نے کیا ہے گرفتار زندگی

قسمت کی گردشوں سے زمانہ کے جور سے
ہے زار حال زار گنہگار زندگی

زخمی ہوا تہا پاؤں کہ دامن الجھ گیا
مشکل ہے رہ بہ وادی پرخوار زندگی

کچھ گول ہول اس کی صدا چال ڈھال ہے
ایک حال پر نہیں کبھی رفتار زندگی

مضمر ہیں خار کسوت گل میں ہزار ہا
ہشیار دل فریب ہے گلزار زندگی

دونوں جہاں میں ہستی بیکار جب ہوئیں
پھر کیوں ہے ساز سینہ میں یہ تار زندگی

قابل نہ میرے وہ ہے نہ لائق ہوں اس کے میں
میں زندگی سے مجھ سے ہے بیزار زندگی

روداد ہستیں میں کروں تجھ سے کیا بیاں
بس یہ سمجھ کہ ہو گئی بے کار زندگی

رشتہ ہوا و حرص کا باقی نہ رکھ اجل
میرے بدن سے کھینچ لے زنار زندگی

یک مشت خاک بودم و نذر زمیں شدم
اب ہوں بشیر دور ز پیکار زندگی

حیدرآباد سے کشمیر تک

نمبر (۳)

جناب فخرالدین احمد صاحب سعید متعلم بی۔اے عثمانیہ

رات تو مختلف مصروفیت گپ شب۔ موسیقی اور استراحت میں کٹ گئی۔ علی الصباح ٹرین راولپنڈی پر پہونچی۔ نہایت پھرتی سے سبھوں نے رخت سفر اتارا۔ کچھ ساتھی بسوں کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ کیوں کہ یہاں سے سری نگر کشمیر تک بسوں میں جانا پڑتا ہے۔ اسٹیشن ہی پر کچھ کھا پی لیا۔ اس اثنا میں لاریاں آگئیں حجت کرایہ کی تھی فی مسافر آٹھ روپیہ کا تقاضہ تھا اور پھر سامان کا علیحدہ لیکن پاری کوششیں یہی رہیں کہ سامان بھی اسی میں شمار ہو۔ چنانچہ طویل بحث و مباحثہ شروع ہوا لیکن خدا کے بندوں نے سامان تولنا شروع کر دیا آخر کتنے سوٹ کیس اور ٹرنک وزن کیے جاتے۔ تولنے والے بھی کچھ بیزار سے معلوم ہوتے تھے آخر سبھوں نے اسلامی اخوت کا وظیفہ شروع کر دیا۔ اور اسلامی بھائیوں کو جتانے لگے پھر کیا پوچھنا کہ جذبہ اسلامی جوش میں آگیا اور ساتھیوں نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ بس والوں کو راضی ہونا پڑا اور نہایت کشادہ دلی سے ہمارا سامان لاریوں میں لدنے لگا۔ اور ہم بسوں میں ڈٹ ہی گئے اسٹیشن سے لاریاں آبادی میں چلنے لگیں دور دور ہمالہ کے پہاڑ اپنی عظمت و جبروت کا سکہ بٹھانے لگے۔ اور ہمارا حوصلہ اور جذبہ کشمیر ان سے بڑھا ہوا تھا ہم مرعوب کیا ہوتے بازار میں شوفروں نے بعض خانگی معاملات کے لیے اپنی لاریاں روک دیں اور ہم نے اسکی کو غنیمت جانا کہ لاؤ بازار بھی گھوم آئیں چنانچہ سب سے پہلے لسی کا ایک ایک گلاس اڑایا پھر میووں کا جائزہ لینے لگے۔ تر و تازہ میوے عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ میوہ سوا سنتروں کے نہایت ارزاں تھا بعض ایسے میوہ جات بھی دکھائی دیے جو اس سے پہلے ہم نے دیکھے نہ تھے۔ کچی خوبانی کچے بادام۔ آرڑو۔ خوب ہی اڑائے۔ اخروٹ جو ہمارے حیدرآباد میں روپیہ۔ ۱۲ سیر بکتے ہیں یہاں ۳ سیر کے حساب سے خریدے گئے اور ہماری دستیاں بھری ہوئی تھیں

[illegible] ہوا کا اثر دیکھیے کہ اس قدر قلیل مدت میں طبیعتیں نہایت چاق و چست ہو گئیں معلوم ہوتا تھا فرحت و انبساط کا دل پر ہجوم ہے۔

ادہ گھنٹہ گردش کے بعد سری نگر کی جانب روانہ ہوگئے۔ ہمالہ کی آسماں بوس چوٹیاں کوئی پچیس میل کے فاصلہ سے ہم کو مسرت اور شادمانی کا پیغام دے رہی تھیں۔ لاریوں نے اپنی اسپیڈ تیز کی اور ہم نے ہارمونیم کے سروں کو چھیڑا جس کے دلکش نغموں نے فضاء رنگین کو مرتعش کر دیا۔ ۱۵ — ۲۰ میل کی رفتار کے بعد لاریاں ہمالیہ کے دامن میں تھیں۔ اب ہم دنیا کے بلند ترین پہاڑ کی چڑھائی پر کمربستہ تھے اس کے پرجلال چوٹیوں کو دیکھ کر ہم مستانہ وار جھومنے لگے۔ اور دل شگفتہ تھے۔ صنوبر کے خودرو درخت عجیب کیف انگیز تھے۔ پہاڑیوں کی بلندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لاریاں بعض اوقات فی گھنٹہ تین میل کی مسافت طے کر رہی تھیں۔ جوں جوں لاریاں آگے بڑہ رہی تھیں قدرت اپنی بوقلمونی میں جدتیں دکہا رہی تہی۔ ہری بہری وادیاں۔ ٹھنڈی ہوائیں۔ طرب انگیز ہوش ربا تھیں۔ مخروطی پہاڑ کو اطراف سے تراش کر ۱۵ — ۲۰ فیٹ چوڑی سڑک نکالی گئی ہے ان مخدوش راستوں سے ہم گزر رہے تھے اور اس وقت سطح سمندر سے تخمیناً سات ہزار فیٹ کی بلندی پر چل رہے تھے جوں جوں راستہ طے ہوتا تھا لاریاں پہاڑوں کے بلند سے بلند ترین چوٹیوں کو آہستہ خرامی سے پامال کر رہی تھیں۔ اور ان راستوں سے اگر نیچے نگاہ کی جائے تو نہایت کشادہ اور وسیع گیہوں کے کھیت بلا مبالغہ ایک بالشت سے زیادہ دکھائی نہ دیتے تھے۔ ان خوفناک وادیوں سے بل کھاتا ہوا جہلم یقین مانئے کسی حسین کی مانگ سے زیادہ وسیع نہ ہوگا۔ حالانکہ اس کا پاٹ ہندوستان کی بڑی بڑی ندیوں میں شمار ہوتا ہے جس میں بڑی بڑی صنوبر کی خشک ناٹیں بہتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ بلندی کا یہ عالم کہ اگر شوفر سے ذرا بھی بے احتیاطی ہو جائے تو لاریاں مع مسافروں کے دھواں بن کر اڑ جائیں کہ دھونڈہے سے نشان تک نہ ملے۔

پہاڑ کی چوٹیوں پر سفید برف دیکھ کر معلوم یہ ہوتا تہا کہ قدرت کے انتہائی صناع ہاتھوں نے چاندی مڑ دی ہے پھر ان میں سے چھوٹی چھوٹی نہروں اور آبشاروں کا گرنا اور پانی کا سرد اور میٹھا ہونا رکنا باد و گلگشت مصلا، اور بدخشاں کا یخ برخیار آنکھوں کے سامنے تھا۔ اور جی لوٹ جاتا تہا۔ ہر پانچ چہ میل کے بعد ایک آدہ دوکان ملجاتی تہی جہاں چپاتیاں کچھ سالن زہر مار کر کے ابلتے چشموں کا پانی پیتے اپنی مسافت طے کر رہے تھے لیکن سبھوں نے ابلے ہوے انڈوں کو ہی پسند کیا اور یہی ہمارا زاد راہ تھا جہاں لاریاں ٹھہریں ہوٹل کا لڑکا رکابی میں ابلے ہوے انڈے لیے ہوے موجود۔

راستوں میں مسافروں کے ٹورنگ کارنیں بہی ملتی تھیں۔ اور ہماری لاریوں سے نغمہ و سرود کی آوازیں انہیں خواہ نخواہ ہماری جانب متوجہ کو لیتی تھیں۔ غریب پہاڑی بچے لاریوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ ان راستوں میں بعض موڑیں اس قدر خوفناک تھیں کہ جہاں سب کی سلامتی کے لیے خدا ہی کا فضل درکار ہوتا ہے۔ مگر شوفر بہی اس بلا کے چالاک اور ہوشیار کہ ایک ہچکو میں اس موڑ سے گزر جاتے تھے۔ حالاں کہ ہم سب آہستہ خرام آہستہ خرام کہتے ہی رہتے تھے وہ منظر تو نہایت ڈراونا اور روح فرسا ہوتا تھا جب کہ سمت مقابل سے کوئی کار آتی ہو کیوں کہ لاری کو اس قدر کنارے رکنا پڑتا تہا کہ اگر ایک فٹ بھی ہٹ جائے تو بس۔ "انا للہ" کے سوا کوئی چارہ نہ تہا کیوں کہ اکثر و بیشتر اس طرح کہ حادثوں سے تمام مسافر جہلم برو ہو چکے ہیں۔

اللہ اللہ کرتے ہوے کوئی تین چار بجے لاریاں دل پر پہونچیں یہاں کے مناظر وہ روح پرور تھے کہ اب بھی تصوّر میں اس کا لطف آجاتا ہے کیوں کہ یہ مقام سات ہزار فیٹ بلند ہے یہاں انگریزوں کی بہت زیادہ آبادی ہے نہایت خوش وضع اور خوبصورت بنگلے بنے ہوے ہیں ہمارے لاریوں کا ٹھرنا ہی تھا کہ غریب مزدور دوڑے ہوے آئے لیکن سامان اتارنے سے انھیں روک دیا اور خود ہی لاریوں سے اتر کر ایک ہوٹل پر حملہ کر ہی دیا ہوٹل کے ملازم بہی پریشان کہ آخر معاملہ کیا ہے کہیں دست و گریباں کا ارادہ تو نہیں بارے انہیں اطمینان ہوا کہ مسافر ہیں مگر یہ فکر ضرور عائد حال تھی کہ ان کے لیے خورونوش کا بیک وقت کیا انتظام کیا جائے۔ کوئی میز پر سوار ہے کوئی کرسی پر لدا ہوا بہرحال پانچ چہ باورچی لگے چپاتیاں تیار کرنے چنانچہ ڈھائی تین گھنٹوں کے بعد کھانا کھانا نصیب ہوا اب بیٹھا کس سے جاتا تہا کیوں کہ منزل مقصود تو آگے تھی لاریوں میں پھر براج گئے۔ پھر وہی سین وہی نظارہ آسمان سے سرگوشیاں کرنے والے پہاڑ برف سے یوں ڈھکے ہوئے ہیں کہ کسی نے موتیا کے کنٹھے پہنا دیئے ہیں اور ہمارے لاریاں سات ہزار اور کہیں چار ہزار فیٹ کی بلندی سے گزر رہی تھیں۔ پہاڑے بچے اور بڑے ہارمونیم کے آواز پر ہم کو تماشا بنائے ہوئے تھے وہ منظر اب بہی یاد آتا ہے ایک شخص ہاتھ میں چھوٹا سا رنگ لیے ہوئے اپنے چھوٹے بچے کو گوا اور نچا کر مسافروں سے کچھ مانگ لیتا تہا اور غزلیں اس پہاڑی بچہ کی زبان سے عجیب لطف پیدا کر دیتی تھیں۔ "جان من جانے کی تم کو اس قدر جلدی ہی کیا ہے"

"رات باقی ہے چلے جانا سحر ہونے تو دو"

کشمیری لہجہ میں عجیب ترکیب سے الفاظ ادا کر رہا تھا۔ اب شام ہو رہی تھی اور ہم سو میل ختم کر چکے تھے رات بسر کرنے کے لیے پر فضا وادیوں میں ایک نہایت ہی پاک و صاف انگریزی طرز کا مسافر بنگلہ مل گیا جہاں تین وسیع کمرے رات کے قیام کرنے کو کرایہ پر لے لیے گئے۔ کھانے کا آرڈر دیدیا گیا۔ شب کے دس بجے کھانا ملا۔ اس بنگلہ کے قریب ہی سے جہلم بہتا ہے اور اس کے نغمے اب یاد آتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا"۔ خصوصاً یہ خیال کہ حیدرآباد کے رہنے والے اور ہمالیہ کے پر لطف اور دلربا گھاٹیوں میں تو مسرت کی ایک لہر دلوں میں دوڑ جاتی تھی۔ یہاں خاصی سردی تہی سبھوں نے سویٹر پہن لیے رضائیاں اور بلانکٹ اوڑھ کر خواب راحت کے مزے لینے لگے۔ اور جب کبھی نیند ہوشیار ہوتی تھی تو جہلم کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی۔ صبح بیدار ہوے ناشتہ کیا۔ قریب والے ہوٹل میں گرم گرم چائے اوڑائی لاریوں میں سامان چڑھا دیا پھر چل چلاؤ کی ٹہری۔ لاریاں سرسبز وادیوں۔ خوش رنگ پھولوں فرحت افزا صنوبر کے درختوں سے گزرنے لگیں جوں جوں سری نگر قریب ہو رہا تھا ہر شخص مست الست بنا ہوا تہا چھوٹے چھوٹے بازار مل رہے تھے پہاڑی باشندوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ہماری لاریوں کا تعاقب کرتے تھے۔

اب سری نگر ہم سے چالیس میل کے فاصلہ پر تہا۔ سرد ہواؤں کی عطر بیز نکہت دماغوں کو طبلہ عطا بنا رہی تہی۔ سردی کی وجہ سے سبھوں نے اپنی اپنی کانوں پر کچھ نہ کچھ لپیٹ لیا سری نگر پندرہ میل کی مسافت پر تہا کہ کچھ ترشح شروع ہو گیا پہاڑوں کی چوٹیوں سے بادلوں کا بغلگیر ہونا ایک وجد انگیز نظارہ تہا خنکی ہوا میں پیدا ہو گئی ہے جوں جوں آگے بڑہ رہے تھے بارش میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تہا اور ہمارے دانت بج رہے تھے ہاتھ پیر سردی کے سبب سے بیحس تھے۔ معلوم ہوا کہ غیر معمولی طور پر دو دن سے سری نگر میں بارش ہو رہی ہے یہ سنکر ہماری امیدوں پر پانی پھر گیا اور سردی کا خیال دل میں لرزہ پیدا کر رہا تھا کہ الٰہی کیسے گزریگی کہیں بال و پر پھوٹنے کے بجاے ہم یخ بستہ نہ ہو جائیں ایسی سردی تو حیدرآباد میں کبھی کاہیکو دیکھنے میں آئی تھی۔

بہرحال اسی تخیل میں خوبصورت سڑکوں کو طے کرتے ہوے چھ بجے شام سری نگر پہونچ ہی گئے

اگرچہ کشمیر کا خاکہ ہمارے تخیل میں فردوس سے کم نہ تہا لیکن حیرت کی انتہا نہ رہی جب کہ ہماری لاریاں گندہ سڑک وہ بہی نیم کشادہ جس کی دونوں جانب مخدوش مکانات اور میلے کچیلے لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی طباخی دوکانوں پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے ہم اسی میں حیران تھے کہ ہماری لاریاں کشادہ سڑک پر نکل آئیں اب اچھے مکانات اور بنگلے دکہائی دینے لگے۔ جہلم ابھی تک ہماری معیت کا شرف حاصل کر رہا تہا۔ بارش کا سلسلہ جاری تہا۔ ہوا مرطوب تھی ہمارے دل کانپ رہے تھے تمام مکانات کی چھتیں ہریا دل سے ڈھکی ہوئی تھیں گویا ساون کے اندھے کو سب ہرا ہی ہرا دکھائی دے رہا تہا۔ صنوبر اور چنار کے تناور درخت سڑکوں پر چھائے ہوئے تھے۔ دس پندرہ منٹ بعد ہماری لاریاں نہایت وسیع خوبصورت کشادہ راستہ پر نکل آئیں جہاں بڑی بڑی دکانیں تھیں اور تمام سڑک تارکول کی بنی ہوئی تہی۔ اب تو یقین آگیا کہ ہاں اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است وہمین است ہمین است۔

میر قافلہ نے گھوم گھام کر ایک ہوٹل کا پتہ چلایا جہاں قیام کے لیے آرام دہ کمرے مل گئے لاریاں انڈین ہوٹل پہونچ گئیں۔ سردی اس بلا کی تہی کہ اترتے ہوئے تامل ہو رہا تہا۔ بہرحال اترنا پڑا اور اتر گئے۔ لاریوں کو خیرباد کیا۔ اب خورونوش کی سوجھی آرڈر دیدیا اس اثنا میں گرم کپڑوں میں ملبوس ہو کر سامان کی تنقیح شروع کر دی اور نہایت بے چینی کے ساتھ برادران کشمیر سے دریافت کیا کہ بارش کب ختم ہوگی۔ شب کے دس بجے کھانا ملا بھوکے شیر اپنے شکار پر پنجے مارنے لگے خوب سیر ہو کر کھایا ڈکاریں لیتے ہوئے ڈائننگ ہال سے کمروں کی جانب جانے لگے بعض ساتھیوں نے کشمیری چاء کا ذائقہ بہی چکھ لیا گیارہ بجے تک گلے بازی ہوتی رہی تھکاوٹ اور ماندگی غالب تہی اس لیے نیند نے سبھوں پر حملہ کر دیا اور ہم غافل۔ باقی جب ہم جاگیں۔

تذکرہ جمیل بالتصویر کا ایک نسخہ ضرور اپنے کتب خانہ میں رکھیے کہ یہ دوسرے تذکروں سے بے نیاز بنا دیگا۔
لکھوائی چھپوائی خوبصورت (۳۰۰) صفحہ قیمت (عا)
مینجر شہاب بیرون دبیرپورہ حیدرآباد۔

غزل

نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز

ایسا تو گرم معرکہ استحاں نہ تھا
کیا پہلے یہ زمین نہ تھی آسماں نہ تھا

فکر مآل و خوف سود و زیاں نہ تھا
اتنا تو بدحواس دل بدگماں نہ تھا

کیوں التفات غیر کو سمجھوں نہ اتفاق
تم مہربان تھے تو کوئی مہرباں نہ تھا

سمجھا ہوا تھا موت کو بیداری حواس
خواب عدم خیال ہیں خواب گراں نہ تھا

کنج قفس میں بھی ہے میسر وہی فراغ
آرام کا مقام فقط آشیاں نہ تھا

میں آپ اپنی تیز نگاہی سے ڈر گیا
محفل میں اس کی وسوسۂ پاسباں نہ تھا

اب پرسش مزاج کا موقعہ گزر چکا
اب کیا بتاؤں درد کہاں تھا کہاں نہ تھا

پست و بلند دونوں ہیں آپس میں متحد
جب تک زمیں نہ تھا زمیں کا پتہ آسماں نہ تھا

اسرار عشق کہہ کے پشیماں ہوں بہت
یہ مسئلہ تو قابل شرح و بیاں نہ تھا

جذب کمال شوق رہا ہمعنان عشق
ناقہ کا اپنے اور کوئی ساربان نہ تھا

دیکھے اگر آنکھ تو اس کا علاج کیا
وہ حسن لازوال کہاں تھا کہاں نہ تھا

کیوں رہ نورد راہ میں دامن فشاں رہے
میرا غبار گرد رہ کارواں نہ تھا

اے دل تیرے یقین کا مجھ کو یقیں نہیں
میرے گمان میں تو کوئی بدگماں نہ تھا

تکرار دید آپ ہوئی مانع نگاہ
ان کے ہمارے اور کوئی درمیاں نہ تھا

کوسوں چلا ہوں وادی وحشت میں تیز گام
میرے سوا کسی کے قدم کا نشاں نہ تھا

آتا جو کام زخم جگر کے لئے عزیز
پیراہن حیات میرا دھجیاں نہ تھا

غزل

جناب ابوالخیر سید ابراہیم حسین صاحب صہبا

پھر شب غم آگئی جلنے کا پھر پیغام ہے
پھر لباس آتشین پہنے چراغ شام ہے

شمع کی ہستی میں پنہاں موت کا پیغام ہے
ابتدا میں انتہا آغاز میں انجام ہے

میرا اظہار محبت انکا اظہار جمال
زندگی واللہ انکی کشمکش کا نام ہے

عشق میں مر کر حیات جاودانی مل گئی
موت کہتے ہیں جسے کیا زندگی کا نام ہے

دل نے کی تھی شوق کی ناکامیوں پر اک آہ
مجھ پہ افشائے محبت کا عبث الزام ہے

دل میں بیٹھا لے رہا ہے چٹکیاں ہم کوئی
ہو نہ ہو یہ آپ ہیں یا درد خوش انجام ہے

کچھ سکون قلب سا محسوس ہوتا ہے مجھے
رخصت اے درد جگر یہ تو سحر کا ہنگام ہے

وصل کی شب مختصر کر دی بڑھایا روز ہجر
کس قدر بے ربط صہبا گردش ایام ہے

مضمون نگار

افسانہ

جناب محشر عابدی صاحب بی۔ اے

آٹو یو گورچ، ایک معمولی درجہ کا جرنلسٹ، بہت ہی متین اور افسردہ چہرہ بنائے ہوئے ایک محویت کے عالم میں رات کو دیر سے گھر آتا ہے اس وقت اس آدمی کے مانند نظر آتا ہے جس کو پولیس کے اچانک چھاپہ مارنیکا خوف پریشان کر رہا ہو۔ یا جو خودکشی کی تدبیر سوچ رہا ہو کمرہ میں ادہر اُدھر ٹہلنے کے بعد وہ یکایک ٹھہر جاتا ہے اور بالوں کو انگلیوں میں الجھاتے ہوئے کہتا ہے۔

"شکستہ حال، افسردہ حال، روح پر مصیبت اور تکالیف کا بار گراں ـــــ اور اس پر بیٹھ کر لکھنا آہ ـــــ اور اسی کا نام زندگی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ کسی نے ایک مضمون نگار کی روح کی اس بے چینی اور تکلیف کو بیان نہیں کیا۔ جس کو عوام الناس کی تفریح کا سامان اس وقت بہم پہونچانا پڑتا ہے۔ جبکہ اس کا دل غم کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہوتا ہے۔ اور کسی کے حکم پر وہ اس وقت آنسو بہانے پر مجبور ہوتا ہے جب کہ اس کے دل میں مسرت اور فرحت کی لہریں اٹھتی ہیں مجھے ہمیشہ ہنس مکھ، بے پروا اور ظریف بنا رہنا چاہیئے لیکن کیسے ممکن ہے جبکہ میں تکلیفوں اور مصیبتوں کے انبار کے نیچے دفن ہوا جا رہا ہوں ـــــ کیسے ممکن ہے اگر میں علیل ہوں ـــــ یا میرا بچہ عالم نزاع میں ہے ـــــ یا میری بیوی انتہائی مصیبت میں گرفتار ہے،

وہ یہہ کہہ کر اپنی آنکھیں پھراتا ہے اور پھر بیوی کی خوابگاہ میں پہونچکر اس کو بیدار کرتا ہے،

"نادیا" وہ کہنے لگتا ہے، میں لکھنے جا رہا ہوں براہ کرم کسی کو خلل انداز نہ ہونے دینا میں بچوں کے شور و غل اور ملازموں کے خراٹوں میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ ہاں یہ بھی خیال رکھنا کہ چاء تیار رہے سنتی ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میں چاء کے بغیر نہیں لکھ سکتا صرف چائے ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کام کرنے میں مجھے تقویت ہوتی ہے۔"

اپنے کمرہ میں واپس آکر وہ کوٹ واسکٹ اور جوتا اُتارتا ہے اور بہت آہستہ آہستہ یہ کام ختم کرتا ہے۔ پھر ایک مجروح معصومیت کا چہرہ بنا کر، وہ اپنی میز پر بیٹھ جاتا ہے اسکی میز پر کوئی چیز

اتفاقی ہے نہ غیر معمولی چھوٹی سی چھوٹی چیزوں میں بھی خشمناکی اور حسب معمول نظام العمل کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مصنفوں کی چھوٹی چھوٹی تصویریں مضامین کے ڈھیر رات رکھنے کے لیے کھوپڑی کا ایک حصہ اخبار کا ایک ورق جس پر پنسل سے لفظ "بے شرم" لکھا ہوا ہے بہت سی نوکدار پنسلیں اور قلم بھی ہیں تاکہ اگر ایک خراب ہو جائے تو فوراً دوسرے سے لکھنا شروع کر دے اور خیالات کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

آٹون یوگورچ پھر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر کے خیالات کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو سلیپر پہنے ہوئے ادھر ادھر حرکت کرتے اور چاء کو گرم کرنے میں محو دیکھتا ہے۔ وہ بھی پوری طرح بیدار نہیں ہوئی اس کا پتہ اس کے ہاتھ سے چاء گرنے سے چلتا ہے بہت جلد اس کی ناک میں بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو پہونچتی ہے۔ اس کی بیوی ابتک چولھے وغیرہ میں لگی ہوئی ہے۔

یکایک آٹون یوگورچ کھڑا ہو جاتا ہے خوفزدہ آنکھیں کھولتا ہے اور ہوا کو سونگھنے لگتا ہے "وہ میرے خدا اسٹو سے دھواں نکل رہا ہے" اس نے چہرہ پر بل ڈالتے ہوئے بڑبڑا کر کہا دھواں نکل رہا ہے۔ یہ عورت مجھے زہر دینے کی تدبیر سوچ رہی ہے خدا ہی جانتا ہے کہ میں ایسے حالات میں کس طرح لکھ سکتا ہوں براہ کرم مجھ سے بتا دیجئے

وہ باورچی خانہ کی طرف دوڑتا ہے اس کے چند ہی لمحوں کے بعد اسکی بیوی نہایت احتیاط سے پنجوں کے بل ایک گلاس میں چائے لیکر آتی ہے وہ پہلے کی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے اور اپنے مضمون کے خیال میں ڈوبا ہوا آرام کرسی پر بیٹھا ہے وہ حرکت نہیں کرتا۔ پیشانی پر دو انگلیوں سے آہستہ آہستہ طبلہ بجانے لگتا ہے۔ اور اس امر کا بہانہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی آمد سے واقف نہیں ہے اس کے چہرے سے ایک مجروح معصومیت کا اظہار ہوتا ہے۔

اس لڑکی کی مانند، جس کو تحفتاً ایک قیمتی بنچھا ملا ہو وہ اپنا بہت سا وقت رکھ اٹھاؤ اور مختلف قسم کی حرکتوں میں صرف کرنے کے بعد مضمون کا عنوان لکھتا ہے۔ پھر اپنی کنپٹیوں کو دباتا ہے اینٹھتا ہے اور پھر ٹانگیں اس طرح پھیلاتا ہے جیسے اس میں درد ہو رہا ہے اور صوفہ پر بیٹھی ہوئی بلی کی مانند نصف آنکھیں بند کر لیتا ہے آخر کار رکتے رکتے وہ اپنا ہاتھ دوات کی طرف بڑھاتا ہے اور ایک ایسے متفکر چہرہ کے ساتھ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی مرثیہ لکھنے جا رہا ہے، عنوان لکھتا ہے

"اماں مجھے تھوڑا پانی دو" وہ اپنے لڑکے کی آواز سنتا ہے۔ چپ رہو" ماں جواب دیتی ہے ابا جان لکھ رہے ہیں۔ چپ رہو۔

وہ بہت تیزی سے بغیر کسی اصلاح اور بھرتی اور رکاوٹ کے لکھتے ہیں اور ان کو ورق گردانی کو وقت نہیں ملتا مضمون نگاروں کی تصویریں ان کے قلم کو دیکھا کرتی ہیں اور خاموش رہتی ہیں

اوہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟

"شاہ" مضمون نگاروں کی تصویریں سرگوشیاں کرتی ہیں اور جب پیر کا دھکا میز میں لگتا ہے تو وہ ہلنے لگتی ہیں۔

یوگوروچ۔ ایک لخت ٹھہر جاتا ہے۔ قلم رکھ دیتا ہے اور سنتا ہے۔ اسکو ایک مبہم سی آواز سنائی دیتی ہے۔ فوما نکولوچ ہے۔ جو اس کا ہمسایہ ہے اور عبادت میں مشغول ہے۔"

"سنتے ہیں آپ" یوگوروچ نے کہا۔ کیا براہ کرم آپ اپنی عبادت آہستہ کریں گے اس طرح میرے لکھنے میں ہرج ہوتا ہے۔ بہت افسوس ہے" فوما نکولوچ ڈرتے ہوئے جواب دیتا ہے

"شاہ..... شاہ"

پانچ صفحات تحریر کرنے کے بعد یوگوروچ اپنی ٹانگیں پھیلاتا ہے اور گھڑی دیکھتا ہے۔

"خدا کی پناہ ——— تین بج گئے" وہ حزن آگیں انداز سے کہتا ہے" اور لوگ سو رہے ہیں جب کہ میں ——— میں اکیلا کام کر رہا ہوں" شکستہ خاطر اور تھکا ہوا وہ اپنی بیوی کی خوابگاہ میں جاتا ہے اور اس کو جگاتے ہوئے دبی ہوئی آواز میں کہتا ہے۔

"ناڈیا" میرے لیے چاء اور لاؤ مجھے کمزوری محسوس ہو رہی ہے" وہ چار بجے تک لکھتا ہے اور اگر اس کا موضوع وقت نہ ہوتا تو شاید وہ چھ بجے صبح تک لکھتا رہتا۔

بستر پر لیٹے ہوئے کہتا ہے" میں اس قدر تھکا ہوا ہوں کہ نیند آنی مشکل ہے۔ ہمارا کام یہ، قابل لعنت، سخت محنت ——— جسم سے زیادہ روح کو تھکا دیتی ہے۔ بہتر ہے کہ میں کچھ برومائیڈ کا استعمال کروں۔ خدا جانتا ہے کہ اگر خاندان کے لیے نہ ہوتا تو میں اس کام سے ہاتھ دھو لیتا۔ حکم کے مطابق لکھنا بے حد خوفناک امر ہے وہ دن کو تقریباً بارہ ایک بجے سو کر اٹھتا ہے۔ اور ایک صحت بخش اور گہری نیند سوتا ہے۔ آہا۔ وہ کس طرح سوئیگا۔ کیا خواب دیکھیگا وہ کس قدر اپنے آپ کو مسرور کریگا۔ اگر وہ ایک بہت مشہور مضمون نگار یا ایڈیٹر

یا سب ایڈیٹر بن جائے۔

"وہ رات بھر لکھتا رہا ہے اس کی بیوی چہرہ پر ایک مقدس کیفیت پیدا کرتے ہوئے کہتی ہے۔ "شا"

کسی کو بولنے یا شور کرنے یا حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس کی نیند کوئی مقدس شئے ہے۔ اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔

سکوت ـــ ایک مسلسل سکوت تمام عمارت میں پھیلا رہتا ہے۔

(چیخوف)

غزل

جناب سید امین الحسن صاحب۔ بسمل ڈسٹرکٹ جج

لرز جائے فلک آہ و فغاں سے　　وہ اگلی سی تڑپ لاؤں کہاں سے

بیاں وہ کچھ کیا ان آنسوؤں نے　　جو ممکن ہی نہ تھا میری زباں سے

فسون عشق بھی اب منفعل ہے　　نظر آتے ہیں وہ کچھ بدگماں سے

موثر ہے زیادہ حال میرا　　میرے اظہار غم میرے بیاں سے

میں واقف ہوں کہ ہے دریچہ کوئی　　مجھے کیوں بغض ہوتا آسماں سے

تم اپنے بام سے دو رخصت آہ　　کوئی سنتا نہیں میری یہاں سے

دریچہ منتظر ہے اور بسمل　　پرا نا ربط ہے اس آستاں سے

ایثار

جناب مس مہر آرا۔ ریاست الٰہ

اشخاص ڈرامہ

(۱) حامد.... ایک نوعمر بیرسٹر (۲) آغا... حامد کے والد صاحب بزرگوار (۳) نازلہ... حامد کی والدہ محترمہ (۴) زاہد... حامد کا رازداں دوست (۵) صفیہ... حامد کی منگیتر اور خالہ زاد بہن (۶) سعیدہ... ایک فیشن ایبل لڑکی اور حامد کی محبوبہ (۷) خالد... سعیدہ کا آزاد خیال نوجوان بھائی (۸) عزیز بتوفر چمپا۔ گلاب۔ نرگس۔ چھوکریاں۔

پہلا ایکٹ وقت شب کے ۹ بجے

آراستہ ڈرائنگ روم میں حامد ایک انگریزی کا ناول ہاتھ میں لیے صوفہ پر نیم دراز ہے کتاب ہاتھ میں ہے اور نظریں سامنے دیوار پر لٹکی ہوئی ایک تصویر پر جمی ہوئی ہیں..... ٹن۔ ٹن۔ ٹن... ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن.... ٹن ــــ کلاک نے نو بجائے جس سے حامد چونک پڑا اور پریشان ہوکر کتاب صوفہ پر ڈالکر لاابالیانہ انداز میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا بھی جاتا ہے

"صفیہ کی چشم فسوں ساز دنیا کو اپنا ستوالا بنا سکتی ہیں لیکن مجھ پر انکا جادو نہیں چل سکتا.... اگر وہ چاہے کہ اس کی شرمیلی... نیم باز آنکھیں... مجھے دعوت محبت دیں اور میں قبول کرلوں تو یہ ناممکن ہے... قطعی ناممکن اس کا خرام ناز دنیا کی لغزش کا باعث بن سکتا ہے مگر اس سے میرے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہ آئیگی.... دنیا اس کی گرویدہ ہے... ہوا کرے.... دنیا بدل جائے والدین مجھے چھوڑ دیں.... پرواہ نہیں لیکن "سعیدہ"..... میری روح مجھ سے علیحدہ نہیں کی جاسکتی... وہ دن دور نہیں... جب سعیدہ پیاری سعیدہ میرے پہلو میں رونق افروز ہوگی ــــ (جوش میں آکر) کون ہے جو مجھے اس سے باز رکھ سکتا ہے... زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ والدین مجھے جائداد سے محروم کردیں گے۔ پھر اس کی بھلا مجھے کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ میں کسی کا دست نگر نہیں ہوں۔ اپنے خرچ سے بھی زیادہ میں پیدا کرلیتا ہوں... پھر اس رئیسانہ زندگی سے میرے لیے وہ فقیرانہ زندگی جس میں سعیدہ مہ جبین سعیدہ میرے ساتھ ہو میرے لیے لاکھ گنہ زیادہ بہتر ہے

(کمرہ کے ایک طرف سے پردہ ہٹتا ہے اور زاہد مسکراتا ہوا داخل ہوتا ہے)

زاہد- بندگی سرکار

حامد- کون ـــــ؟ ارے زاہد صاحب۔

زاہد- اللہ خیر کرے..... اب دماغ پر بھی محبت کا اثر ہو چلا ہے۔

حامد- زاہد ـــــ سنگدل ظالم دوست اب تم بھی میرا مذاق اڑاتے ہو..... تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔ اچھے دوست کسی طرح خالد صاحب کو جلد راضی کر لو..... آخر ایسی تباہ زندگی کب تک بسر کروں۔ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ ؎

زندگی میں نہ مزہ ہو تو ہے مرنا بہتر
دم نکل جائے تو ہم سمجھیں کہ ارماں نکلا

زاہد- جلد بازی کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ کیا فائدہ اگر یہ حال سب پر روشن ہو گیا۔ آپ کی دیوانگی سے خطرہ ہے کہ یہ افواہ شہر میں بری طرح مشہور ہو کر رہیگی۔ آپ کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ منگنی ہو چکی ہے اور پھر منگنی بھی کس سے جو آپ کی والدہ ماجدہ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے میرے خیال میں وہ کسی طرح بھی اس منگنی کو توڑنا گوارہ نہیں فرمائینگی ـــــ

حامد- اونہہ۔ ہوا کرے اب مجھے کچھ پرواہ نہیں۔

زاہد- سب کچھ سہی مگر پھر بھی استقلال سے کام لو چند دن صبر کرو۔ خدا کارساز ہے خود ہی کوئی ایسا سبب نکالدیگا کہ ہیں اس جلد بازی کی بدولت تمام نظام درہم برہم نہ ہو جائیں۔ ذرا دل میں بھی تو غور کرو کہ جس روز سے صفیہ پیدا ہوئی اسی روز سے آپ سے منسوب ہے۔ اور پھر آپ کی خالہ جان کے انتقال کے بعد اس کو آپ کی امی جان نے جس محبت اور پیار سے رکھا ہے اس سے کون واقف نہیں ـــــ خاندان والے کیا کہیں گے۔

حامد- خاندان..... خاندان..... اُف یہ تو میرا دشمن ہے۔ مجھے اس منحوس نام کو سنا کر کیوں پریشان کیا کرتے ہو ـــــ زاہد خدا کے لیے میری مدد کرو۔ تم ہی میرے ہو ـــــ صرف ایک ہی سچا ہمدرد اور دوست ہے.. مگر افسوس اب ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تم بھی مجھ سے الگ ہو رہے ہو ـــــ سچ ہے دنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ آہ جب تم ہی نے بیوفائی پر کمر باندھی تو پھر اب اور کسی سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ ؎

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا

زاہد۔ مسکرا کر۔ بھائی اگر سعیدہ کی محبت میں بھی تاثیر کے سچے جاں نثاروں کو بے وفا اور ظالم سمجھا جائے تو بندہ پرور میں تو ہرگز اس کو پسند نہیں کرونگا ایسی محبت کی اور پرورش کی جائے۔

حامد۔ بس کرو ـــــ زاہد میرے پاس خوش دلی کہاں ہے جو تمھارے پر مذاق فقروں کا جواب دوں۔ ؎

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

زاہد۔ اچھا تو لو اٹھو سعیدہ بیگم کے یہاں چلیں۔

حامد۔ آؤں ـــــ اب چلوں... نہیں نہیں وہ اب آرام کرتی ہونگی دس بجے ہوئے بھی رات گزری۔

زاہد۔ اچھا تو صاحب آپ کی مرضی نہ چلو۔

حامد۔ یہ تو بتاؤ کہ اس معاملہ کو کس طرح طے کیا جائے؟

زاہد۔ سب سے اول یہ بتاؤ کہ خالد صاحب کا کیا خیال ہے؟

حامد۔ ایسے تو وہ راضی ہیں صرف اس قدر کہتے ہیں کہ تمھاری طرف سے تمھارے بزرگ شادی کی درخواست کریں۔ مگر پھر بھی وہ کچھ زیادہ خلاف معلوم نہیں ہوتا اور جب سے اس کو میرے نئے ارادے کی خبر ہوئی ہے وہ خاص طور پر میری خاطر تواضع کرتا ہے ـــــ!

زاہد۔ کیا سعیدہ بیگم اور خالد صاحب اس سے بھی واقف ہیں کہ آپ کی والدہ صاحبہ آپ کی اس بات کو پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھینگی ـــ؟

حامد۔ اونہہ۔ بے وقوف۔ سعیدہ ایک آزاد خیال اور فیشن ایبل لڑکی ہے اس کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے مجھ سے کبھی اس قسم کی باتوں کا اتفاق نہیں ہوا اور میرے خیال میں تو وہ اس سے واقف بھی نہ ہوگی کہ میری والدہ ہیں بھی یا نہیں!

(زاہد دوسری طرف کو منہ پھیر کر مسکراتا ہے۔)

حامد۔ کیوں زاہد ـــ کیا ہے؟

زاہد- کچھ نہیں میں ذرا معاملہ پر غور کر رہا تھا۔
حامد- میرے سچے دوست.. میرے رفیق تم ہی میری مدد کر سکتے ہو۔
زاہد- جمائی لیکر ـــــ اُہو نیند آنے لگی ـــــ ہاں میں ضرور کوشش کروں گا مطمئن رہو۔ کھڑے ہو کر۔ اچھا اب رخصت انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی

پردہ گرتا ہے

دوسرا ایکٹ شام کے پانچ بجے

کوٹھی کے احاطے میں ایک چھوٹی میز پر ناشتہ چنا ہوا ہے اور کرسیوں پر آغا۔ نازلہ۔ صفیہ اور حامد بیٹھے ہیں۔

آغا- (کپ میں چائے ڈالتے ہوئے) حامد تمہاری نسبت جو افواہیں آجکل سننے میں آرہی ہیں وہ کہاں تک سرمایہ دار حقیقت ہیں۔
حامد- (پیشانی پر بل ڈالکر غصہ میں) ننانوے (۹۹) فیصدی آغا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا ہے مگر صفیہ کی موجودگی کے لحاظ سے غصہ کو خون کی گھونٹوں کی طرح پی جاتا ہے۔
نازلہ- میرے بچے میری ساری امیدیں تیرے ہی دم سے وابستہ ہیں مجھے مایوس نہ کر اور جلد اپنے سہرے کی لڑیاں چومنے کی آرزو پوری کر دے۔ میری زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔
حامد- آپ کی ہی کیا ـــــ؟ میری زندگی کا بھی کیا بھروسہ ہے۔ زندگی ہے ہی ایسی چیز جس کا کوئی اعتبار نہیں۔
نازلہ- اللہ تیری عمر میں برکت دے اور تیرے سامنے مجھے اٹھالے ایسی باتیں کیوں کرتا ہے۔
آغا خاموش بیٹھے سب سنتے رہتے ہیں بشرے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا غصہ کو ضبط کر رہے ہیں آخر چائے کی پیالی ختم کر کے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ حامد بھی جانے کو اٹھتا ہے مگر ماں خوشامد کر کے روک لیتی ہے۔
نازلہ- آخر بیٹا تیرا ارادہ کیا ہے... کچھ تو بتا۔
حامد- میرا... ارادہ ـــــ ہوں.. پھر وہی پرانا سوال۔
نازلہ- (تجاہل عارفانہ) سے بس اب تو یہی آرزو ہے کہ خدا مجھے تیرے اور صفیہ کے سہرے کے پھول اور دکھادے

پھر میں بخوشی مرنے کو تیار رہونگی۔
صفیہ شرما کر گردن نیچی کر لیتی ہے اور حامد غصہ سے ہونٹ چبانے لگتا ہے آخر تھوڑی دیر کے بعد سوچکر جواب دیتا ہے۔
حامد۔ پھر دیر کیا ہے۔ ماشاء اللہ تعلیم سے وہ فارغ ہو ہی چکی ہیں اس کے لیے دولہا تلاش کیجیے اور جلد شادی کر دیجئے ـــــ آخر کب تک بٹھائے رکھو گی ـــــ رہی میری ..... سو ..... میں ..... میں ابھی شادی نہیں کرونگا۔ نازلہ آنکھیں پھاڑ کر حیرت اور استعجاب سے حامد کو گھورتی ہے صفیہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے۔ غصہ سے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھتی ہے اور اپنے کمرہ کی طرف چلی جاتی ہے ـــــ!
نازلہ۔ حامد ـــــ میں تیرے ان جملوں کے سننے کی کبھی روادار نہیں ہوں۔
حامد۔ اور اگر یہ میرا آخری فیصلہ ہی ہو؟
نازلہ۔ ـــــ کیسا فیصلہ ـــــ میرے ہوتے تو ہو تا کون ہے فیصلہ کرنے والا۔
حامد۔ جس وقت آپ نے فیصلہ کیا ہوگا۔ بارادہ کیا ہوگا اس وقت میں اپنے برے بھلے میں تمیز نہ کر سکتا تھا اور جب میں اس قابل ہوا تو میں نے دل میں سخت ارادہ کر لیا.....
نازلہ۔ بات کاٹ کر۔ کیا ہم سے بھی زیادہ تو برے اور بھلے کو جان سکتا ہے۔
حامد۔ بیشک ـــــ میں اب صاحب عقل ہوں ـــــ اور بغیر میری مرضی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔
نازلہـــــ آہ..... بے حیا ـــــ ظالم یہ ظلم صفیہ کی اس طرح حق تلفی..... اس کے ارمانوں پر اس طرح پانی پھیرا جائیگا آخر تجھے ہو کیا گیا ہے ابھی چند روز قبل صفیہ سے زیادہ حسین، صفیہ سے زیادہ قابل اور صفیہ سے زیادہ عزیز تجھے دنیا میں کوئی نہ تھا ـــــ!!
حامد۔ لیکن اب تو سمجھتا ہوں۔
نازلہ۔ اُف معبود ـــــ بن ماں کی بچی پر ایسا ظلم ـــــ کیا تو نے اس سے کوئی عہد نہ کیا تھا؟
حامد۔ گڑھے ہوئے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ۔
نازلہ۔ بس کر۔ میرے بچے اور غور کر کہ تو کیا بک چکا ہے ـــــ اور کیا بک رہا ہے۔
حامد۔ میں نے خوب غور کر لیا ہے اور صاف الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے سعیدہ کے ساتھ میری شادی نہ کی تو پھر دنیا میری وجود سے بھی خالی ہو جائیگی ـــــ! بولو..... امی ـــــ ورنہ

لو میرا آخری سلام قبول کرو ـــــ میں ساری عمر کے لیے رخصت ہوتا ہوں۔ آہ ـــــ اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتا ہوں جس میں سارا بچپن اور جوانی کے بیشتر دن عیش میں تمھاری عاطفت میں گزارے ہیں ـــــ!!

(آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف جاتا ہے) نازلہ کو "محبت مادری" بیتاب کر دیتی ہے اور رنج والم میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ کے ساتھ ہچکی لگ جاتی ہے۔ اگر ایک طرف بھانجی کی محبت اور خودداری تھی تو دوسری طرف مامتا تھی جن میں اس وقت جنگ چھڑی ہوئی تھی آخر مامتا سب پر غالب آئی اور نازلہ نے رقت آمیز الفاظ میں کہا۔

نازلہ۔ میرے..... حامد ـــــ!!

حامد۔ مڑکر۔ کیا آپ راضی ہیں ـــــ؟

نازلہ۔ کمزور آواز میں ـــــ آہ..... میرا بچہ ـــــ!!

حامد۔ بات کا جواب دیجئے فضول اپنا اور میرا وقت خراب کرنے سے کیا فائدہ؟

(اس شور وغل کی آواز سنکر آغا صاحب کمرہ سے غصہ میں بھرے ہوئے آتے ہیں)

آغا۔ بدمعاش۔ نالائق ـــــ ناشدنی۔ بہتر ہے کہ جلد تو اس مکان کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کردے کمزوراں کو دھمکیاں دیتا ہے۔ بے حیا ـــــ (غصہ سے ہونٹ چبانے لگتا ہے)

نازلہ۔ آغا..... میرے بچے کو سمجھاؤ ـــــ اس کو کیا ہوگیا ہے؟

آغا۔ پاگل ہے ـــــ دماغ خراب ہوگیا ہے ـــــ!!

حامد۔ (نازلہ کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑاکر) عاجز کرنے سے کیا فائدہ جب باوا جان کے لیے میں اس قدر بار ہوں تو پھر جانے کیوں نہیں دیتیں ـــــ!!

آغا۔ ہاں ـــــ ہاں جا۔ اگر کچھ بھی حیا ہے تو آیندہ کبھی ہمیں اپنا منحوس چہرہ مت دکھانا۔

(حامد گردن نیچے کیے آہستہ آہستہ احاطہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے)

نازلہ۔ آہ..... میرا بچہ۔

(صفیہ خاموش سر جھکائے ہوئے آتی ہے اور حامد کو روکنے کے لیے اپنا لرزاں ہاتھ اس کے شانے پر رکھدیتی ہے)

صفیہ۔ ٹھہریئے..... بھائی جان ـــــ!

(حامد صفیہ کا ہاتھ جھٹک کر علیحدہ کر دیتا ہے اور جانے کے لیے جلد جلد قدم اٹھاتا ہے۔ صفیہ پھر ہمت کر کے اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور کہتی ہے)

صفیہ۔ میرے عزیز بھائی جان۔ آپ کا فیصلہ سب کو منظور ہے۔ بغیر آپ کے یہ گھر دوزخ بن جائیگا۔ خالو جان آپ کے نثار کے مطابق کرینگی اور خالو جان کو بھی میں راضی کر لوں گی چلو واپس چلو۔

حامد کا چہرہ شرم سے جھک جاتا ہے اور رومال جیب سے نکال کر پیشانی کا پسینہ خشک کرتا ہے۔

آغا غصہ سے چیخ کر کہتے ہیں۔ "صفیہ صفیہ... جانے دے اس نالائق کو۔ یہ جہنم میں جائے ہم سے کیا واسطہ ــــــ"

نازلہ۔ ملتجی نظروں سے صفیہ کو دیکھ کر ــــــ صفیہ... میرا حامد..... اُف اللہ۔

حامد۔ (آہستہ سے صفیہ کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے) صفیہ... فرشتہ خصلت صفیہ اب وقت آگیا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے تم سب سے رخصت ہو جاؤں ــــــ!

صفیہ۔ نہیں۔ خدا نہ کرے ــــــ چلو اور خالو جان سے اپنی بدزبانی کی معافی مانگ لو وہ بزرگ ہیں تمہاری سب نثار سب کچھ کریں گے ــــــ چلو میں بھی تمہاری مدد کروں ــــــ!

(حامد اور صفیہ آہستہ آہستہ آغا اور نازلہ کے قریب آتے ہیں ــــــ حامد کا سر جھکا ہوا ہے اور صفیہ خالو جان کے سامنے دست بستہ چشم پرنم معاف کر دینے کی درخواست کرتی ہے۔!!)

آغا صفیہ کو سینہ سے چمٹا لیتے ہیں ــــــ اور نازلہ سے حامد چمٹ جاتا ہے۔ چاروں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ صفیہ سنبھلتی ہے ــــــ اور مسکرا کر کہتی ہے۔

صفیہ۔ بھائی جان تمہارے ہی دم سے یہ گھر فردوس ہے خدا نہ کرے جو کبھی یہ تمہارے وجود سے خالی ہو ــــــ خدا آپ کو ہمیشہ شاد و آباد اور بامراد رکھے ــــــ!

حامد کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے آغا اور نازلہ فرط محبت سے صفیہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں اور صفیہ مسکراتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوتی ہے اور چند منٹ کے بعد ایک مخملی بکس بغل میں دبائے واپس ہوتی ہے ــــــ!!

نازلہ۔ یہ کیا ہے؟

صفیہ۔ پہلے آپ وعدہ فرمائیں کہ بھائی جان کے خلاف نہ کرینگی۔

نازلہ۔ میں وعدہ کرتی ہوں ــــــ (روکر) میری بچی حامد ہی ہماری زندگی کا سہارا ہے

اور بھی ہماری امیدوں کا مرکز ہے ـــــ!

صفیہ ۔ (خالو سے التجا آمیز لہجہ میں) خالو جان اب آپ بھی وعدہ کریں ـــــ (قریب آکر) بلکہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں ـــــ!!

آغا محبت سے صفیہ کے چہرہ پر ایک پرحسرت نظر ڈالتا ہے ـــــ اور پھر وعدہ کر لیتا ہے (صفیہ تالی بجاتی ہے۔ اور نرگس آکر باادب کھڑی ہو جاتی ہے)

صفیہ ۔ نرگس تم اور گلاب کوٹھی کی صفائی کرو ـــــ اور جمپا سے کہو کہ مالی کو اطلاع دے آج شب کو کچھ مہمان آرہے ہیں لہٰذا ان کے استقبال کے لیے بہت سے ہار پھول وغیرہ ہم کو تیار ملیں اور ہاں ـــــ ۔ خانسامان کو بھی کھانے کی تیاری کا حکم دیدو ـــــ جاؤ جلدی سب کام میں لگ جاؤ وقت کم ہے۔!!

آغا اور نازلہ حیرت سے صفیہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ صفیہ برابر کی میز پر سے رائٹنگ پیڈ اور قلم اٹھا کر حامد کو دیتی ہے ۔

صفیہ ۔ لیجئے آج شب کے کھانے پر سعیدہ بہن ۔ خالو صاحب اور زاہد صاحب کو بلائیے ـــــ حامد کوئی جواب نہیں دیتا ـــــ اور خاموش بیٹھا حسرت سے صفیہ کو دیکھتا رہتا ہے ۔

صفیہ ۔ اچھا ـــــ میں سمجھی ـــــ لیجئے خالہ جان آپ لکھیئے اس موقع پر آپ کی طرف سے مدعو کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

نازلہ خاموش رہتی ہے مگر صفیہ کا پیہم اصرار آخر اسکو مجبور کر دیتا ہے اور وہ چٹھیاں لکھ کر صفیہ کو دیتی ہے اور وہ ملازم کو بلا کر سیکل پر فوراً جانے کی ہدایت کرتی ہے ۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر صفیہ مخملی بکس کھولتی ہے اور اس میں سے ایک جوڑا جڑاؤ کیڑے ایک جڑاؤ نیکلس اور چار نہایت بیش قیمت انگوٹھیاں نکالکر حامد کے سامنے رکھ دیتی ہے ـــ حامد ... ایک آہ سرد کے ساتھ شرم سے سر جھکا لیتا ہے اور انتہائی ندامت کی وجہ سے چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا ہے ـــــ! آغا نازلہ کو اور نازلہ آغا کو دیکھتی ہے ـــــ صفیہ وہ زیورات اٹھا کر ان کی طرف سرکا دیتی ہے!

آغا ۔ یہ کیسے ـــــ؟

صفیہ ۔ فرمائیے ۔ تعجب نہ کریں ـــــ کئی ماہ گزرے اس وقت بھائی جان نے یہ زیورات اپنی دولہن کے لیے

بہت پسند کرکے خریدے تھے خدا کے فضل سے آج وہ دن آگیا ہے ——— لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ یہی زیورات آج آپ پیاری سعیدہ بہن کو پہنا دیں تاکہ رسم منگنی بالکل انوکھی وضع میں آج ہی ادا ہو جائے ——— کیوں کہ وہ لوگ بے حد آزاد خیال ہیں دوسرے بھائی جان خالو صاحب سے شادی کی درخواست بھی کر چکے ہیں اور انکا صرف یہی ایک جواب تھا کہ آپ کے بزرگ اس طرف توجہ کریں لہٰذا اس طرح آپ کا زیور پہنانا کبھی ان کو ناگوار نہ ہوگا ——— !

نازلہ اور آغا دونوں صفیہ کی باتیں سنکر محو حیرت ہو جاتے ہیں آخر نازلہ ہمت کرکے جواب دیتی ہے۔

نازلہ۔ بیٹی یہ شادی حامد کی مرضی کی ہوگی ——— اور وہ بھی شادی کی درخواست کر چکا ہے اسنے زیورات اپنی پسند سے خریدے ہیں تم انہی کو دیدو وہ خود ہی جیسے مناسب سمجھے کرے۔

صفیہ۔ بیشک یہ انھوں ہی نے خریدے ہیں ——— اور وہ خود ہی پہنا دینگے..... مگر آپ کو بھی تو کچھ دینا چاہیئے (کچھ سوچ کر شرماتے ہوئے) آپ نے عرصہ گزرا مجھے میرے سالگرہ پر ایک خوبصورت جڑاؤ سلیٹی دی تھی وہ بہت خوشنما اور بیش قیمت ہے (بکس کھولکر نکالتی ہے) یہ ہی آپ سعیدہ بہن کو پہنا دیں ——— !

نازلہ سلیٹی کو دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتی ہے..... اور بے اختیار اس کے منہ سے نکل جاتا ہے۔

نازلہ۔ آہ یہ وہی ہے..... جس کو میں نے بڑے ارمانوں کے ساتھ تجھ کو دولہن بنا کر پہنائی تھی ——— !

آغا شدت رنج سے دوسری طرف کو منہ پھیر لیتے ہیں اور صفیہ شرم اور غصہ سے اس طرف سے ہٹ کر حامد کے قریب جاتی ہے اور زیورات آہستہ سے اس کی گود میں رکھ دیتی ہے حامد کا سر چکرا جاتا ہے ——— زیورات کو بغور دیکھ کر اس کو فوراً وہ وقت یاد آجاتا ہے جب کہ ولایت سے واپسی پر اپنی منگیتر کے لیے نہایت شوق اور محبت سے خریدے تھے اور والدین سے پوشیدہ بڑی سنت کے ساتھ صفیہ کو دئے تھے ——— اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکل جاتی ہے اور نہایت آہستہ کہتا ہے۔

حامد۔ بہن ——— اس قدر تو شرمندہ نہ کرو ——— کیا میں ایسا کمینہ ہوں کہ بہن کو دی ہوئی چیز واپس لے لوں۔

صفیہ مسکراتی ہے ——— مگر ساتھ ہی باوجود ضبط کے اس کا سارا جسم کانپ جاتا ہے مگر ہمت سے کام لیتی ہے اور مسکرا کر کہتی ہے۔

صفیہ۔ عزیز بھائی ——— یہ زیور تو آپ نے "دولہن" ہی کے واسطے خریدے تھے ——— اور اب وقت

آگیا ہے کہ جس ارمان و شوق سے آپ نے ان کو لیا تہا اب ان کو دولہن کی مرمریں گردن میں پہنا کر ان سے اسی قدر مسرور ہو سکتے ہیں ——!!

فقرہ ختم کرتے ..... کرتے وہ برف کی مانند سرد پڑ جاتی ہے ..... مگر ہمت سے کام لیکر زیورات کا بکس حامد کے قریب رکہہ کر خود چند قدم کے فاصلہ پر جا کھڑی ہوتی ہے اور پتھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت تھوڑی دیر کھڑی زیورات کے بکس ..... اور حامد ..... کو دیکھتی رہتی ہے —— اور پھر آہستہ آہستہ باورچیخانہ کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ——!!

نازلہ۔ صفیہ ..... کہاں ..... جاتی ہو۔

صفیہ۔ میں ..... خالہ جان کی طرح بیفکر تھوڑی ہوں۔ کتنی امیدوں اور آرزؤں کے بعد تو آج خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ کوئی ہستی پیاری بھاوج کی حیثیت سے اس گھر میں رونق افروز ہوگی —— دل چاہتا ہے کہ کوٹھی کو اندر باہر سے دلہن کی طرح آراستہ کر دوں —— مگر وقت بہت کم ہے ..... (آسمان کی طرف دیکھ کر) اے خدا تو مجھے ہمت دے کہ وقت سے پہلے ہر کام تیار کر سکوں ——!

پھر دوبارہ مسکراتی ہے اور آہستہ آہستہ باورچیخانہ کی طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہے ——!!

پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے

آٹو گراج۔ آٹو موبائل انجنیر

جیمس اسٹریٹ سکندرآباد

ہماری ورک شاپ میں تمام ضروری آلات موجود ہیں اپنی موٹر کو جدید طریقہ پر رنگ کرائیے ہم پرانی موٹروں کو اتنی خوشنما بنا دیتے ہیں کہ گویا بالکل نئی معلوم ہوں گی۔ اعلیٰ درجہ کے پائیدار بریک۔ لوکاس کے ہارن ایر بلب۔ فلپس اور الکٹرک بلبس ہر قسم کی موٹروں کے لیے موزوں ہوں گے۔ بہترین اور اعلیٰ قسم کے کپڑے جو چھت کے لیے درکار ہیں۔ ایک دفعہ آپ دیکھیں تو نہایت پسند آئیں گے۔

رخنہ

آلڈا ایگو

میدانوں، چٹانوں، اور پہاڑیوں پر دھوپ چمکی ہوئی تھی۔ دو دو ایک درخت پر چار کوئلیں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھی کوک رہی تھیں۔

لالہ ایک ٹوکری میں کچھ انڈے لیے قریب کے گاؤں کو جا رہی تھی۔ مرغیوں کے پالنے میں وہ اس قدر ماہر ہو چکی تھی کہ سارے گاؤں والے اس معاملہ میں اس کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ اپنی آمدنی کو پس انداز کرنیکی اسے کوئی ضرورت نہ تھی وہ اپنے باپ کی اکلوتی لڑکی تھی اور گھر کے سیاہ و سفید کی مالک۔ وہ اس رقم کو نفیس لباس بنانے میں صرف کیا کرتی تھی اور اس طرح اس کی وجہ سے گاؤں کے مذاق کا معیار بلند ہو رہا تھا۔

اس وقت اس کا صندلی رنگ کا لباس جو اس کے سڈول جسم کو ڈھانکے تھا اسے کھا جاتا تھا پھر اس پر اس کی سرخ و سفید رنگت اور بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ بات صاف ہے ایسی حسین لڑکی کے چاہنے والے بھی بہت تھے۔ ہر روز رات کو اس کے مکان پر جمن کا بازار گرم رہتا تھا عشاق یکے بعد دیگرے چلے آتے تھے کہ اس کے بڈھے باپ کی دقیانوسی حکایات سے محفوظ ہوں مگر مقصد دراصل یہ ہوتا تھا کہ لالہ کے حسن سے اپنی آنکھیں سیکھیں شادی کے کئی پیغام یار لوگوں نے چھپے پیرایہ میں اس کے پاس پہنچائے بھی مگر اس نے سب کو کہری سنا دی۔ اور اب تو تجربہ نے اس کو سکھا دیا تھا کہ کس طرح ایک تبسم ناز اور ایک نگاہ غلط انداز سے کسی چاہنے والے کی امید دلکا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

مقامی تاریخ شاہد ہے کہ مراد نے ایک مرتبہ لالہ سے اظہار محبت کیا تھا۔ خود لالہ نے تو کسی سے کہا نہیں مگر اب اس کا کیا علاج کہ نامراد مراد نے دختر رز کے بھڑکانے پر سارا دکھڑا دوستوں کو کہہ سنایا۔ سوئے اتفاق سے ایک روز حضرت کو تخلیہ میں لالہ سے گفتگو کا موقع مل گیا۔ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ نے اظہار عشق کر ہی دیا۔ لالہ پہلے تو بہت سٹ پٹ آئی لیکن پھر ذرا ہوش و حواس سے کام لیا اور ایک کٹورہ سرد پانی عاشق صاحب کے سر پر انڈیل دیا۔ عشق کی آگ بجھانے کے لیے یہ بالکل کافی تھا۔

صرف ایک مرتبہ اس کے دل پر کچھ اثر ہوا تھا۔ اور وہ اس وقت جبکہ شریف نے درخواست کی تھی

لالہ اور شریف گاؤں کے مدرسہ میں ساتھ ہی کھیلے اور ساتھ ہی پڑھے تھے۔ اور حال حال تک کھیتوں میں چڑیاں مارتے پھرتے تھے۔ لالہ کے دل میں اس کی محبت ایک نامعلوم طریقہ پر جاگزیں ہوتی جارہی تھی۔ مگر جب شریف نے اپنی محبت کا اظہار کیا تو لالہ نے بے رحمی سے اس کی درخواست یہی ٹھکرا دی۔ غریب نے یہ خیال کرکے کہ اس کی غربت محبت کی راہ میں حائل ہو رہی ہے پھر کبھی ہمت نہ کی۔ اور وہ اس واقعہ کے بعد لالہ کی محبت ہمیشہ اس کے دل میں بڑھتی ہی گئی مگر کبھی اس نے اس کا اظہار نہ کیا۔

سڑک کی موڑ پر جہاں باڑہ بہت گھنی تھی وہ ذرا رکی اور سوچنے لگی۔ اگر وہ سڑک ہی کا راستہ اختیار کرتی تو اسے تقریباً دو میل کی مسافت طے کرنی پڑتی۔ لیکن اگر وہ باڑھ سے گزر کر مٹی کی کمزور دیواروں پر سے کودتی ہوئی چلی جاتی تو گاؤں کو پندرہ منٹ سے بھی قبل پہونچ سکتی تھی۔ اس نے خیال کیا شریف کے کھیت تو ہیں چلو ادھر ہی سے چلو۔ وہ اس وقت یہاں ہوگا بھی نہیں اور گرمی سے میں پسینے میں نہا گئی ہوں۔

باڑھ سے گزر کر وہ دیوار تک پہونچی۔ دیوار پر چڑھنا ایسا آسان نہ تھا جیسا اس نے خیال کیا تھا لیکن تھی جوان اور پھرتیلی۔ انڈوں کی ٹوکری دیوار پر رکھ کر چڑھنا شروع کیا۔ مگر بس سرے تک پہونچی تھی کہ دل دھڑکنے لگا کیوں کہ دیوار اس کے بوجھ سے ٹوٹنے لگی تھی۔ وہ جھٹ کھیت میں کود پڑی لیکن ابھی اٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ تقریباً تین گز دیوار کھیت میں گر پڑی۔

وہ لاپروائی کے ساتھ زمین سے اٹھی۔ باوجود خوف کے اس کے تمتمائے چہرے سے شوخی اور شرارت ٹپکتی تھی۔ شریف کو جب بنانا پڑیگا تو معلوم ہوگا اس نے کہا اگر کسی اور کی دیوار ہوتی تو بنا بھی دیتی مگر اب تو کبھی نہ بناؤں گی ——

یکایک اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی قریب ہی ایک گھنے درخت کے سایہ میں شریف بیٹھا کچھ سی رہا تھا اس کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ لالہ نے انڈوں کی ٹوکری اٹھائی اور بھاگنا چاہا مگر شریف نے جھٹ اٹھ کر اس کا پیچھا کیا۔

میں سب سن رہا تھا لالہ۔ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی، اس نے سختی سے کہا خیر چلو دیوار بناؤ یہاں قاعدہ ہے کہ جو دیوار توڑتا ہے اس کو بنانا بھی پڑتا ہے۔ اور تمہیں ہی بنانا ہوگا۔

وہ مڑی اور تن کر ہٹ دھرمی سے کہا میں نہیں بناتی۔ نہیں کیسے نہ بناؤ گی میں تم سے بنواؤں گا

اس کا چہرہ تمتما گیا اور جھنجلا کر کہا' لبن تمھارے کہنے سے تو میں بنا دونگی ہٹو مجھے جانے دو۔
شریف نے جواب دیا' جی معاف کیجئے۔ یہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ دیکھتی نہیں ہو سختی پر کیا لکھا ہوا ہے؟ کھیت میں سے گزرنے والوں کا چالان کیا جائیگا' پڑھنا آتا ہے پھر بھی انجان بنتی ہو۔ تمھارا چالان یہی ہے کہ تم دیوار بنا دو۔ تم ادھر سے گزریں کیسے؟
دیکھو میں چیخوں گی۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا ئے۔
دل کھول کر چیخو۔ شریف نے کہا کسی کو خبر بھی نہ ہوگی چلو اب اس سے کیا فائدہ۔ جلدی دیوار بنا دو اور چلی جاؤ۔
شریف تم ایک لڑکی کو دیکھ کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ میں کچھ دیوار بنانے کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی۔
شریف ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا اور کہا لالہ یاد ہے۔ اس روز تم نے کس طرح مجھ پر طعن کیے تھے۔ ویسے ہی آج میں بھی تمھارا غرور رکھنا لونگا بڑے پتھر پیلے رکھو۔ چلو چھٹ پٹ۔
اس روز کے بعد جس روز کہ شریف نے اظہار الفت کیا تھا آج پہلا موقع تھا کہ لالہ نے نظر بھر کر اس کے چہرہ کو دیکھا۔ اسکو کبھی یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ وہ خوبصورت ہے۔ لیکن آج جب کہ وہ اسکے آگے پسینہ میں نہایا کھڑا تھا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ گاؤں بھر میں کوئی دوسرا اس کی طرح حسین نہیں ہے۔ لالہ کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ ہنسے یا روے۔ اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
مجھے تم سے نفرت ہے' وہ منہ ہی منہ میں کہنے لگی۔ یہ کام تو مجھے مار ڈالیگا۔
شریف کھل کھلا کر ہنس دیا۔ خدا نہ کرے۔ میں اپنے سر پر یہ گناہ لینا نہیں چاہتا میں تمھارا ہاتھ بٹاؤنگا۔ تم چھوٹے پتھر لاؤ۔ میں بڑے پتھر لاتا ہوں۔

خاموشی کے ساتھ یہ کام شروع ہو گیا۔ شریف یہ دیکھ دیکھ کر مسکراتا جاتا تھا کہ جو پتھر وہ لاتی تھی وہ بلا مبالغہ مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ بڑے نہ ہوتے تھے۔ اور ان پتھروں کے لانے میں بھی اسے پانچ پانچ منٹ درکار ہوتے تھے۔ ایک عرصہ تک دونوں میں سے کسی نے بھی بات نہ کی۔
بالآخر شریف نے طلسم توڑا۔ اس طرح تو ایک دن بھی بس نہ ہوگا۔ اور اب کھانے کا وقت بھی آگیا ہے۔ میں کچھ ساتھ لیتا آیا ہوں۔ چلو کھالیں۔

لوگ سنینگے تو کیا کہینگے، لالہ نے آہستہ سے کہا مجھے ہے کچھ ہو۔ میں تو ہرگز نہ کھاؤنگی، کیوں تمہیں کھاؤ گی، اس نے متانت سے جواب دیا میں کسی سے کہونگا تھوڑے ہی؟

لالہ کو کھانا پڑا۔ روٹی اسکی حلق میں پھنس رہی تھی۔ اور چھاگل سے اس نے بہ مشکل کچھ پانی پیا۔ وہ پھر دیوار بنانے کے لیے اٹھی مگر شریف نے بازو پکڑ کر بٹھا لیا۔

میں ہمیشہ کھانے کے بعد حقہ پیتا ہوں۔ وہ کہنے لگا آؤ کچھ گزری ہوئی باتیں کریں۔ لالہ یاد ہے ایک مرتبہ میں نے تمہارے واسطے ایک چڑیا ماری تھی۔ جو جھاڑ کی ٹہنی میں اڑگئی تھی۔ پھر میں اس بلند درخت پر چڑھ کر تمہاری خاطر اسکو نکال لایا۔

لالہ نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہ کی وہ باوجود شریف کے روکنے کے وہاں سے اٹھی اور پھر پتھر اٹھا کر لانے لگی۔ اس مرتبہ وہ بڑی پھرتی سے کام کر رہی تھی لیکن خدا جانے کیوں جتنا وہ تیزی سے کام کرتی تھی اتنا ہی شریف سستی کرتا تھا۔ اور ابھی رخنہ آدھا بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ شام کے چار بج گئے لالہ اب واقعی رونے لگی تھی شریف کا دل دھڑکنے لگا۔

"لالہ ــــ پیاری" اس نے نرمی سے کہا "میں تمھیں آزما چکا بس اب تم جاؤ میں دیوار خود ختم کرلونگا؟

لالہ نے شریف کے کہنے کی کوئی پروا نہ کی۔ بلکہ آنسو پونچھکر پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے پتھر لانے لگی شریف نے یہ دیکھ کر کہ وہ دیوار بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ تیزی سے کام شروع کر دیا اور دو گھنٹہ میں دیوار مکمل ہوگئی۔

اب لالہ نے انڈوں کی ٹوکری اٹھائی اور گھر کا رخ کیا۔ وہ سر جھکائے خاموش چلی جا رہی تھی۔ شریف کو اپنی سختی کا احساس ہوا اور دل بیچین ہوگیا۔

وہ تیز تیز اس کے پیچھے چلا اور ابھی وہ کھیت سے گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ اسے جا ملایا۔

لالہ اس نے کہا معاف کردو۔

اس نے ٹوکری زمین پر رکھدی اور ہاتھ بتانے لگی۔ ہتھیلیاں سب چھل گئی تھیں اور انگلیوں سے خون بہ رہا تھا۔

شریف کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔

میری لالہ نا، اس نے کہا کیا معاف نہیں کروگی؟ ــــ بولو۔

لالہ کے چہرہ پر تبسم نمودار ہوا۔

جاؤ معاف کیا۔ تم بڑے خراب آدمی ہو۔ اس نے سر جھکا کر ایک عجیب معصومیت سے کہا

میں پھر کبھی تمھاری دیوار نہیں گراؤنگی،

وہ اور قریب آیا اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈالکر اسے اپنے قریب کھینچا۔

میں نے یہ سب محبت کیوجہ سے کیا تھا،

خیر ہوگا تم ہی سچے سہی، لالہ نے نیچی نگاہوں سے جواب دیا۔

شریف نے اسے سینہ سے لپٹا لیا اور گھر تک اس کے ساتھ گیا۔

انڈین گلوب انشورنس کمپنی لمیٹڈ

صدر دفتر ۲۸ اپالو اسٹریٹ فورٹ بمبئی

شعبہ جات

زندگی

جاذب توجہ شرائط کے ساتھ کم تر پریمیم پر جو ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے موزوں ہے۔ خاص پالیسیاں امراء نوابوں اور راجاؤں کے زیادہ رقم کے بیمہ کے لیے رکھی گئی ہیں۔ بچونکی تعلیم لڑکیوں کی شادی اور اخراجات اسپشل اسکیم کے معلومات کے لیے

آگ ۔ موٹر

تمام آگ اور موٹر کے بیمے۔ محصولات کی شرح پر قبول کیے جاتے ہیں۔ ہر دعوی کا تصفیہ بہ عجلت کیا جاتا ہے

گوپی ناتھ اینڈ سنز چیف ایجنٹ برائے ممالک محروسہ سرکار عالی

(۱۰۹۲) سلطان بازار حیدرآباد دکن سے استفسار کیجئے۔

www.taemeernews.com

نقل صداقت نامہ عالیجناب ملکات یار جنگ بہادر اول تعلقدار ضلع کریم نگر

نظام جبٹیبل آئل

اسم بامسمّی ہے۔ انتظام دماغی میں بے مثل ثابت ہوا۔ میں نے خود استعمال کیا اور اکثر ارکان نے بھی استعمال کیا اور نہایت مفید نتائج پیدا ہوئے۔ میں کمپنی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انکی یہ ایجاد ملک کے لیئے قابل فخر اور قدر ہے امید کہ بفضلہ حق قدر سے کمپنی ممتاز ہوگی۔

مبارک ہے وہ ملک جو اپنے ہی ملک کے مفید مصنوعات سے مستفید ہوتا رہے اور باعث فخر ہے وہ کارخانہ جو ایمانداری سے دنیا پر اپنا اعتماد قائم کرے

نظام جبٹیبل ہیر آئل

ہر جگہ (عیسیٰ) میں ملتا ہے

تیار کردہ نظام ہیر آئل کمپنی حیدرآباد دکن

www.taemeernews.com

کراؤن سیاہیان

یورپ کے جدید ترین اصول پر
تیار ہوتی ہیں انکی خوبیاں استعمال
ہی سے ظاہر ہونگی -

تیار کردہ

کراؤن انک فیاکٹری

سڑک اعظم جاہی روڈ حیدرآباد دکن

کراؤن خضاب

ہر جگہ ملتا ہے

قیمت ایک روپیہ

کراؤن انک فیکٹری حیدرآباد دکن سے
طلب کیجئے -

فضل فونٹن پن جونیر و سینیر

نہایت خوشنما - رنگین یورپ سے شوروم
کے لئے منگوائے گئے ہیں - جسکی بیحد
مانگ ہے قیمت ارزان

جونیر پانچ روپیہ آٹھ آنے

سینر دس روپیہ آٹھ آنے

علاوہ اخراجات ٹپہ - مادرکا سامان
بھی موجود ہے

فدا علی اینڈ سنس

اسٹیشنری مرچنٹ

پتھرگٹی حیدرآباد دکن

ٹیلیفون ۷۶۵

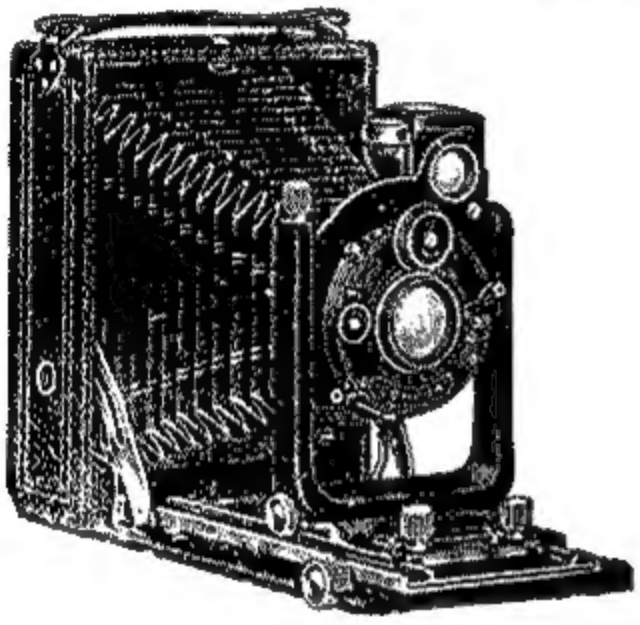

تقریب ملاقات

کیلئے کیمرہ سے بہتر اور کوئی ذریعہ
نہیں - اسکا اپنے پاس رکھنا گویا
سو ساتھی میں اپنا آپ تعارف کرانا ہے
یہ نہایت سحر آفرین گر ہے لطف یہ کہ
ارزان عمدہ - خوشنما - پائدار

مہتا برادرس

فوٹوگرافرس

شاہ عثمانی حیدرآباد دکن

www.taemeernews.com

ہلمن منکس

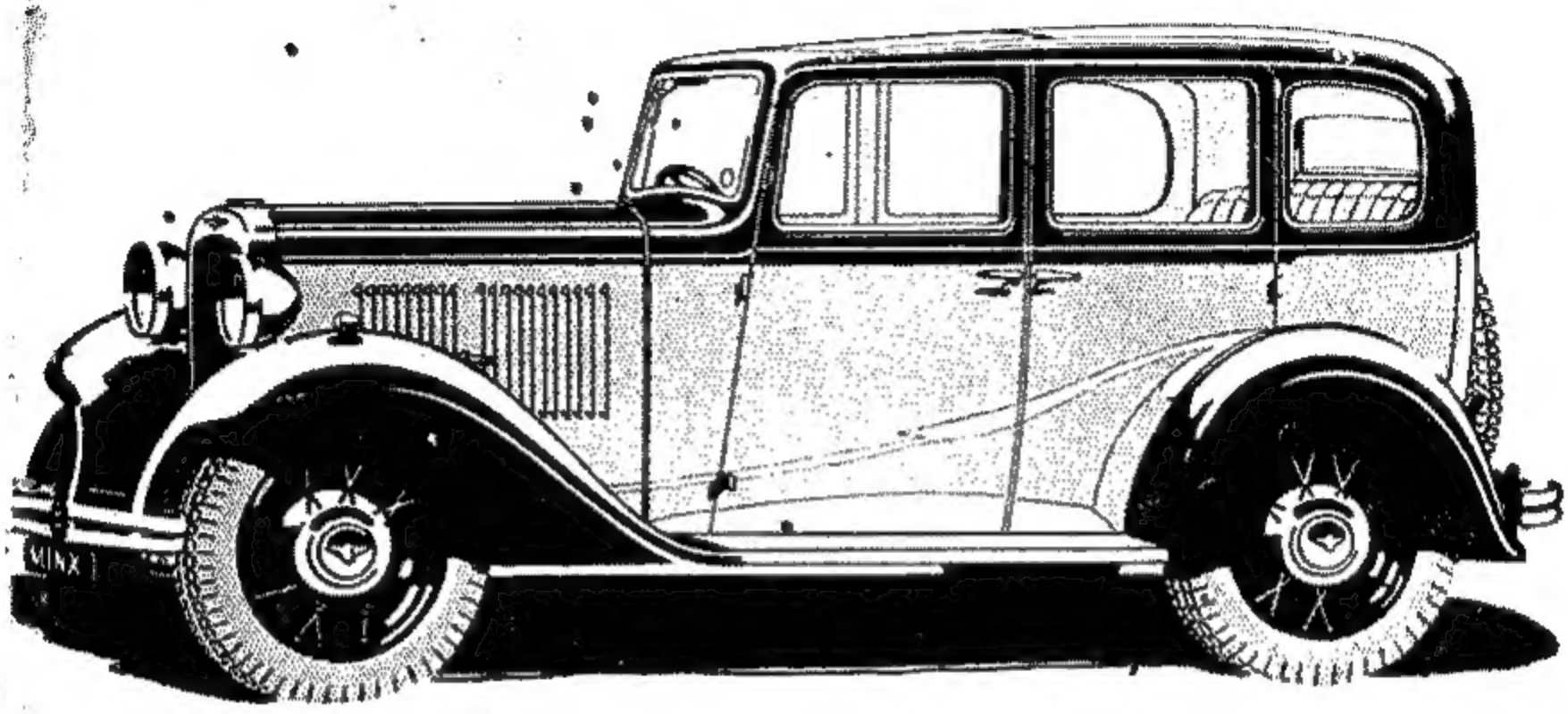

ہلمن منکس کا رنگ و روغن نہایت دلفریب کہ آپ خوش ہو جائینگے
لطف یہہ کہ فاصلہ زیادہ طے کیجئے اور پٹرول کم خرچ ہوگا - ہلمن منکس
آپ اپنی نظیر ہے -

تشریف لائیے اور ملاحظہ کیجئے

ایجنٹ — نصیر آٹو موبائیل اینڈ انجنیرنگ ورکس

خیرت آباد حیدرآباد - دکن

Chandrakanth Press, O. No. 62—14-7-33—2000.

www.taemeernews.com

محمودیہ پریس میں چھپکر

دفتر شہاب بیرونِ دہیر پورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا